چاندی کی ہتھکڑی
اور
دوسری کہانیاں
طالب الہاشمی
طٰہٰ پبلی کیشنز

چاندی کی ہتھکڑی اور دوسری کہانیاں

طالب الہاشمی

طٰہٰ پبلی کیشنز

آفس ۲۲- اے۔ ملک جلال الدین (وقف) بلڈنگ، چوک اردو بازار لاہور

دکان نمبر 17 سیکنڈ فلور مسلم سنٹر چیٹر جی روڈ اردو بازار لاہور

Ph: 7231391 Mob: 0333-4470509

اِس کتاب کا کوئی بھی حصہ طٰہٰ پبلی کیشنز/ مصنف سے با قاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا' اگر اس قسم کی کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔ (ادارہ)

طٰہٰ

جُملہ حقُوق بحق مرتب محفوظ

مرتب : طالب الہاشمی

ناشر : محمد عفیف طٰہٰ

طبع اوّل : جنوری 2006ء

مارکیٹنگ منیجر : صغیر احمد مغل

کمپوزنگ : محمد لبیب جمیل

انتساب

اپنے پیارے پوتے سعد سَلّمہٗ اور پیاری پوتی طُوبیٰ سَلّمہا

کے نام

جن کو اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق ہے

بچے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری　　زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دُنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہو جائے　　ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت

جس طرح پھُول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب　　علم کی شمع سے ہو مجھ کو مُحبّت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا　　دردمندوں سے ضعیفوں سے مُحبّت کرنا

مرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو

نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

(اقبالؒ)

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کہنے کی کچھ باتیں

آج کے بچے کل کے بڑے ہوتے ہیں اس لیے زندہ اور باشعور قومیں اپنے نونہالوں کی تربیت کا آغاز ان کے بچپن ہی سے کرتی ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بچوں کو فطری طور پر کہانیاں سننے اور کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے اس لیے کہانیاں بچوں کی سیرت و کردار کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بعض دوسرے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں کا سیلاب آیا ہوا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کتابیں مقصدیت سے خالی نظر آتی ہیں کیونکہ ان میں جنّوں' بھُوتوں' پریوں' جادُوگروں' چڑیلوں' جانوروں' جاسوسوں' چوروں اور ڈاکوؤں وغیرہ کی فرضی کہانیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ ان کو پُرکشش اور جاذبِ نظر بنانے کے لیے تصویروں اور عمدہ گیٹ اپ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ دلچسپ تو ہوتی ہیں لیکن بچوں کے ذہنوں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالتیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وطنِ عزیز کے بعض ادارے بچوں کے لیے بہت اچھی کردار ساز کتابیں بھی شائع کر رہے ہیں لیکن ان کی تعداد مقصدیت سے خالی کتابوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ راقم الحروف اور بعض دوسرے اہلِ قلم حضرات/خواتین نے گزشتہ چالیس سالوں میں اس کمی کو دور کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں اب تک بامقصد اور دلچسپ کہانیوں پر مشتمل

کتابوں کی معقول تعداد منظرِ عام پر آ چکی ہے۔ الحمدللہ ان کتابوں کو بچوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں بیس بائیس احادیث کے علاوہ باقی سب تاریخی یا نیم تاریخی کہانیاں ہیں۔ ان میں بعض کہانیوں سے کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے' بعض سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے' بعض کسی تاریخی واقعہ کا احاطہ کرتی ہیں اور بعض کسی تاریخی شخصیت سے واقفیت بہم پہنچاتی ہیں۔ اگر قوم کے نونہالوں نے اسے پسند کیا تو اس نوع کی اور کتابیں بھی پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔ اِن شاءَاللہُ تعالیٰ

احقر العباد

طالب الہاشمی

یکم اکتوبر 2005ء

نوٹ: اس کتاب میں شامل بعض کہانیوں کے اختتامی صفحات پر کافی جگہ خالی رہ گئی تھی۔ اسے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ (احادیثِ نبویؐ) سے پُر کر دیا گیا ہے۔

اللہ کے بھید وہی جانتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ مَوت کے فرشتے (عزرائیلؑ) سے پوچھا:
''اے عزرائیلؑ! کیا کسی مرنے والے پر تجھے کبھی رحم بھی آیا۔''
عزرائیلؑ نے عرض کیا:
''اے میرے مالک! مجھے تو ہر مرنے والے پر رحم آتا ہے لیکن میں تیرے حکم کے مطابق اس کی جان نکالتا ہوں' اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا۔''
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''یہ بتا کہ آج تک تجھے سب سے زیادہ رحم کس پر آیا؟''
عزرائیلؑ نے عرض کیا:
''الٰہی! ایک دن ایک کشتی سمندر میں کہیں جا رہی تھی اور اس پر کچھ لوگ سوار تھے۔ یکا یک سمندر میں طوفان آ گیا اور میں نے تیرے حکم سے اس کشتی کو توڑ دیا' پھر تو نے مجھے حکم دیا کہ کشتی میں سوار ایک عورت اور اس کے ننھے بچّے کے سوا باقی سب لوگوں کی رُوح قبض کر لے۔ میں نے اسی طرح کیا اور اس عورت اور اس کے بچے کو کشتی کے ایک تختے پر زندہ چھوڑ دیا۔ سمندر کی موجیں اس تختے کو بہا کر ساحل تک لے گئیں۔ ان کے بچ جانے پر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس وقت تو نے مجھے حکم دیا کہ اس عورت کی روح قبض کر لے اور اس کے بچے کو تنہا چھوڑ دے۔ الٰہی تُو

جانتا ہے کہ اس بچے کو بے آسرا چھوڑنے سے میرا دل کتنا دُکھا اور مجھے
اس پر کس قدر ترس آیا۔ اس دُکھ اور غم کو میں آج تک نہیں بُھلا سکا۔"
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے عزرائیل سُن! میں نے اس وقت سمندر کی ایک مَوج کو حکم دیا کہ اس بچے کو قریبی جنگل میں ڈال دے۔ یہ جنگل طرح طرح کے پھلوں سے لدے ہوئے درختوں اور خوشبودار پھولوں والے پودوں سے بھرا ہوا تھا اور اس میں صاف اور میٹھے پانی کے چشمے بہہ رہے تھے۔ ہر طرف سریلی آوازوں والے پرندے چہچہا رہے تھے اور بہار کا سماں تھا۔ میں نے اسی سرسبز جنگل میں اس بچے کی پرورش کی اس کا بستر چنبیلی کے پھولوں کا ہوتا تھا اور دنیا کی ہر نعمت میں نے اس کو عطا کی تھی۔ پھر میں نے ہر قسم کے خطرے اور مصیبت سے اس کی حفاظت کی۔ سورج کو حکم دیا کہ اپنی تپش سے اس کو نہ ستا' ہوا کو حکم دیا کہ اس پر سے آہستہ گزر' بادل کو حکم دیا کہ اس پر مت برس، بجلی کو حکم دیا کہ اس کو اپنی تیزی نہ دکھا۔ چھوٹے بچوں والی ایک شیرنی کو حکم دیا کہ اس بچے کو بھی اپنا دودھ پلا۔ اس طرح چند سال میں وہ بچہ تنومند (طاقتور' موٹا تازہ) نوجوان ہو گیا۔ جانتے ہو یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ نمرود تھا جس نے آگے چل کر خدائی کا دعویٰ کیا اور ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی حکمت (تدبیر) ہوتی ہے اور اپنے بھیدوں کو وہی جانتا ہے۔ اس کے کسی کام پر نکتہ چینی کرنا سخت گناہ ہے۔

(مثنوی مولانا روم سے ماخوذ)

رِزق کیسے بڑھتا ہے

ایک دفعہ ایک بہت غریب آدمی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

''اے اللہ تعالیٰ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلیم اللہ (اللہ سے باتیں کرنے والا) ہونے کا رتبہ بخشا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرا رزق بڑھا دے۔ مجھے کئی کئی وقت کے فاقے ہو جاتے ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس شخص کی درخواست پیش کی تو انہیں بتایا گیا کہ اس شخص کی قسمت میں اتنا ہی رزق ہے جو اسے تھوڑا تھوڑا کر کے دیا جاتا ہے۔ اگر اس کی قسمت میں لکھا ہوا رزق اسے ایک دفعہ دے دیا جائے تو وہ زندگی بھر کے لیے کافی نہ ہوگا اور بہت جلد ختم ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے یہ بات اس شخص کو بتائی تو اس نے درخواست کی کہ اے اللہ کے پاک نبی! آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ وہ میری قسمت کا سارا رزق ایک ہی بار مجھے دے دے۔ وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے۔ کسی کی قسمت بنانا اور بدلنا اس کے اختیار میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کو بہت سمجھایا کہ جو تمہاری قسمت میں لکھا گیا ہے، اسی پر راضی رہو لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا اور گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے درخواست کرنے لگا کہ میری قسمت کا لکھا ہوا رزق اللہ تعالیٰ سے ایک ہی بار

دلا دیں۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اس پر رحم آ گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس شخص کی خواہش پوری کرنے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما لی اور اس شخص کو تمام زندگی کا رِزق ایک ہی بار عطا کر دیا۔ اس شخص نے یہ رزق ملتے ہی لنگر خانہ کھول دیا اور اعلان کر دیا کہ جس غریب اور محتاج آدمی کے کھانے کا انتظام نہ ہو وہ میرے لنگر خانہ میں آ کر کھانا کھا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اس کے اعلان کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح تو تمہارا رزق بہت جلد ختم ہو جائے گا' یہ زندگی بھر تو اسی صورت میں تمہارا ساتھ دے گا کہ تم اسے تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرو لیکن اس شخص نے کہا ''اے اللہ کے نبی! میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے مجھے اس پر چلنے دیجیے۔ اللہ تعالیٰ میری نیّت اور دل کا حال خوب جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے خزانوں کے دروازے مجھ پر بند نہیں کرے گا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس کا جواب سن کر چلے گئے۔ کوئی ایک ہفتہ کے بعد پھر اُدھر سے گزرے تو دیکھا کہ اس کا لنگر خانہ جاری ہے۔ اگلی مرتبہ کوئی دو ماہ بعد حضرتؑ کا گزر پھر اُدھر سے ہوا تو لوگوں کو پہلے کی طرح لنگر خانہ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ غریب آدمی اپنی دریا دلی سے سارا رزق ایک دو ہفتوں میں ختم کر دے گا لیکن جب دیکھا کہ اس کا رزق زور شور سے اس کا ساتھ دے رہا ہے تو وہ حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا' الٰہی یہ کیا بھید ہے کہ اس کا رزق اب تک اس کا ساتھ دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! ہمارا قانون ہے کہ جو ہماری راہ میں کچھ خرچ کرتا ہے' ہم اس کے رزق میں برکت دیتے ہیں' اس کو دنیا میں بھی بڑھا دیتے ہیں اور آخرت میں بھی کئی گُنا نیک بدلہ دیتے ہیں' اس شخص نے دل کھول کر میری راہ میں خرچ کیا اس لیے ہم نے اس کی قسمت بدل ڈالی ہے اور اس کا رزق بڑھا دیا ہے۔''

مَوت کا مقام اور وقت مقرّر ہے

ایک دفعہ ایک آدمی اس حالت میں حضرت سُلیمان عَلَیہِ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس کا رنگ زرد تھا اور اس طرح کانپ رہا تھا جیسے کسی چیز سے ڈر گیا ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس سے پوچھا:

''بھائی! کیا بات ہے؟ اس طرح کیوں کانپ رہے ہو؟''

اس نے عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی! آج مجھ کو موت کا فرشتہ عزرائیل دکھائی دیا۔ اس نے مجھ پر اس طرح قہر بھری نظر ڈالی کہ میرے اوسان خطا ہو گئے' میرے کانپنے کی یہی وجہ ہے۔''

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس سے پوچھا:

''اچھا اب تو کیا چاہتا ہے؟''

اس نے عرض کیا:

''جنابِ عالی! میں یہ چاہتا ہوں کہ یہاں سے بہت دور چلا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو آپ کے تابِع (حکم ماننے کی پابند) بنایا ہے۔ آپ اسے حکم دیں کہ مجھے اسی وقت اٹھا کر ملک ہندوستان میں چھوڑ آئے' مجھے اسی طَرح چین آئے گا۔''

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اسی وقت ہوا کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً

ہندوستان پہنچادو۔

ہوا نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے حکم کے مطابق اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا لیکن اس نے جونہی اس ملک کی سرزمین پر قدم رکھا' عزرائیل نے اس کی روح قبض کرلی۔ (یعنی وہ فوت ہوگیا)

دوسرے دن عزرائیلؑ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے اس سے پوچھا:

''تو نے فلاں شخص پر قہر بھری نظر کیوں ڈالی تھی؟''

اس نے کہا: ''اے اللہ کے نبی! مجھ کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ اس شخص کی روح فلاں وقت ہندوستان میں قبض کروں لیکن میں اس کو ہندوستان سے ہزاروں میل دُور یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا' اسی لیے میں نے اس پر قہر بھری نظر ڈالی تھی۔ جب وہ آپ کے ذریعے سے مقرّرہ وقت پر ہندوستان پہنچ گیا تو میں نے اس کی روح قبض کرلی۔

لالچ بُری بَلا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ تین دوست اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ایک خزانہ نظر آیا جس میں بہت سا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات تھے۔ تینوں نے جھٹ پٹ اس پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت تینوں کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ خزانے سے تو پیٹ بھر نہیں سکتا تھا اس لیے تینوں نے صلاح کی کہ ہم میں سے ایک شخص قریب کے شہر جائے اور بازار سے کھانا خرید لائے' کھانا کھا کر ہم اس خزانے کو آپس میں برابر برابر بانٹ لیں گے۔ چنانچہ تینوں میں سے ایک شخص کھانا خریدنے کے لیے شہر گیا۔ راستے میں اس نے سوچا کہ اگر کھانے میں زہر ملا دیا جائے تو میرے دونوں ساتھی اسے کھا کر مر جائیں گے اور سارے خزانے کا مالک میں بن جاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے پہلے ایک دکان سے زہر خریدا اور پھر یہ زہر کھانا خرید کر اس میں ملا دیا۔

ادھر اس کی غیر حاضری میں اس کے دونوں ساتھیوں نے آپس میں صلاح کی کہ جب ہمارا تیسرا ساتھی کھانا خرید کر واپس آئے تو ہم دونوں مل کر اس کو قتل کر ڈالیں' اس کے بعد سارا خزانہ ہم دونوں آپس میں برابر تقسیم کرلیں۔

تیسرا ساتھی کھانا لے کر آیا تو دونوں دوستوں نے اچانک اس کو دبوچ لیا اور اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا پھر انہوں نے اطمینان سے کھانا کھایا' اس کے کھاتے ہی

زہر کے اثر سے وہ دونوں بھی مر گئے۔

اتفاق سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے خزانہ اور اس کے پاس پڑی ہوئی ان تینوں کی لاشیں دیکھیں تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "تم نے دیکھا، یہ تینوں دنیا کے لالچ میں ہلاک ہوئے، ان لوگوں کی عقل پر افسوس ہے جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور دن رات اس کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔"

❀

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:

کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا، یارسول اللہ! ایسا تو نہیں ہوسکتا۔ آپؐ نے فرمایا: اسی طرح صاحبِ دنیا (یعنی دنیادار یا دنیا کا طالب) گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

(شُعبُ الایمان للبیہقی)

ہر کام میں میانہ روی بہتر ہے

ہمارے رسول پاک ﷺ کبھی کبھی رات کے وقت اپنے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) کو دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ باہر نکلے تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو دیکھا کہ وہ تہجّد (رات کے پچھلے پہر کی نفلی نماز) پڑھ رہے ہیں اور نہایت دھیمی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے تو حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو بہت اونچی آواز میں قرآنِ پاک کی تِلاوت کرتے دیکھا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد رسولِ پاک ﷺ نے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا؟ اے ابوبکر! آپ تہجد کی نماز میں اتنی آہستہ آواز میں قرآنِ مجید کی تلاوت کیوں کر رہے تھے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! میں جس پاک ذات کا کلام پڑھ کر اس سے دعا مانگ رہا تھا' وہ میری آواز سن رہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی آواز کو زیادہ اونچی کرنا مناسب نہ سمجھا۔'' اب رسول پاک ﷺ نے حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''اے عمر! آپ اتنی بلند آواز میں قرآن مجید کی تِلاوت کیوں کر رہے تھے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسولُ اللہ! میں اس لیے اونچی آواز میں قرآنِ پاک پڑھ رہا تھا کہ سونے

والوں کو جگاؤں اور شیطانوں کو بھگاؤں۔ اپنے دونوں پیارے ساتھیوں کے جواب سن کر رسولِ پاک ﷺ نے حضرت ابوبکر صدّیق ؓ سے فرمایا:

''اے ابوبکر! آپ ذرا بلند آواز سے قرآن پڑھا کریں۔''

پھر حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ سے فرمایا:

''اے عمر! آپ اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کر کے قرآن پڑھا کریں۔ اس طرح رسولِ پاک ﷺ نے یہ سبق دیا کہ جہاں تک ہو سکے ہر معاملے میں اعتدال (یعنی میانہ روی' نہ بہت زیادہ نہ بہت کم) سے کام لینا بہتر ہے۔

❀

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص رَسّی لے اور پہاڑ پر جا کر لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اسے بیچ کر گزارہ کرے تو یہ بات بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے پھر خواہ کوئی دے اور کوئی نہ دے۔

(صحیح بخاری)

انمول آنسو

مکّہ کی فتح (رمضان المبارک ۸ ہجری) کو آٹھ نو مہینے ہی گزرے تھے کہ شام سے کچھ سوداگر مدینہ آئے اور انہوں نے خبر دی کہ روم کا بادشاہ بڑے لاؤلشکر کے ساتھ عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور شام کی سرحد پر عیسائی عربوں کے جو قبیلے آباد ہیں' وہ رومی لشکر میں آ کر شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ خبریں ملتے ہی رسولِ پاک ﷺ نے فیصلہ کیا کہ رومیوں کو عرب کی سرزمین پر قدم نہ رکھنے دیا جائے اور آگے بڑھ کر شام کی سرحد پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ کے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور ساتھ ہی عرب کے تمام قبیلوں کو پیغام بھیجا کہ قیصرِ روم کے مقابلے کے لیے تیار ہو کر فوراً مدینہ پہنچو۔

اس سال (۹ ہجری میں) بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت گرمی پڑ رہی تھی اور لوگوں کا بُرا حال تھا۔ کھجوروں کی فصل پکنے کے قریب تھی اور ڈر تھا کہ اگر کھجوریں وقت پر نہ اتاری گئیں تو ملک میں قحط پڑ جائے گا۔ رسولِ پاک ﷺ نے لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ ہمیں تقریباً تین سو میل دُور شام کی سرحد پر پہنچ کر رومیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا' کھجور کی تیار فصل' قہر کی گرمی' تپتے ہوئے صحراؤں کا لمبا سفر' خوراک پانی اور سواری کے جانوروں کی ناکافی تعداد ہر چیز ان کی نظر کے سامنے تھی لیکن وہ رسولِ پاک ﷺ کا حکم سنتے ہی جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ چند دن کے اندر اندر باہر کے بہت سے قبیلے بھی مدینہ پہنچ گئے

اور بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے ہتھیاروں، کھانے پینے کی چیزوں اور سواریوں کا انتظام کرنا بڑا مشکل کام تھا اور اس کے لیے بہت زیادہ روپے اور سامان کی ضرورت تھی۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے رسولِ پاک ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ اللہ کی راہ میں دل کھول کر مال اور سامان دیں۔ اپنے پیارے آقا ﷺ کا حکم سن کر سب صحابہؓ نے اپنی حیثیت کے مطابق بلکہ حیثیت سے بھی بڑھ کر مال اسباب دیا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اسباب پیش کر دیا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہُ نے ایک ہزار دینار اور کئی سَو اونٹ پالان سمیت پیش کیے، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے بہت بڑی رقمیں اللہ کی راہ میں پیش کیں۔ حضرت عاصمؓ بن عدی نے بیسیوں من کھجوریں پیش کیں۔ خواتین نے اپنے زیور اتار کر اللہ کی راہ میں دے دیے جن صحابیوں کے پاس کچھ نہ تھا، انہوں نے مزدوری کی اور جو کچھ ملا وہ رسولِ پاک ﷺ کے سامنے لا رکھا۔ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہُ ان سب سے بڑھ گئے۔ ان کے گھر میں جتنا روپیہ پیسہ اور مال اسباب تھا، وہ سب اٹھا لائے اور گھر میں جھاڑو پھیر دی۔ حضور ﷺ نے پوچھا، ابوبکر! اپنے بال بچوں کے لیے کیا رکھا؟

انہوں نے عرض کیا: ”بس ان کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ باقی ہیں۔“

چند دن کے اندر تیس ہزار فوج شام کی سرحد پر واقع شہر تبوک کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

اور تو سب مجاہدین کے لیے کئی سَو میل لمبے سفر کے لیے سواریوں کا بندوبست ہو گیا لیکن سات غریب صحابہ ایسے تھے جن کے لیے سواریوں کا انتظام نہ ہو سکا۔ وہ رسولِ پاک ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بڑی تڑپ رکھتے تھے لیکن ان پکّے اور سچّے مسلمانوں کا سواریوں کے بغیر اتنا لمبا اور کٹھن سفر کرنا ممکن نہ تھا اس

لیے وہ اپنی بے بسی پر رونے لگے۔ ان کے آنسو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اتنے مقبول ہوئے کہ قرآنِ پاک کی سورۂ توبہ کی آیت ۹۲ نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ان بے سروسامان لوگوں پر کوئی الزام نہیں جو اے نبی تمہارے پاس اس لیے آئے کہ تم ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ (سامان سفر کے لیے) موجود نہ تھا' ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔''

گویا جہاد میں شریک نہ ہونے کے غم میں ان صحابہ نے جو آنسو بہائے' وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انمول (اتنے قیمتی) قرار پائے کہ جہاد کا فریضہ ادا نہ کر سکنا ان کی ایسی مجبوری سمجھی گئی جس پر ان کو کوئی اختیار نہ تھا اس لیے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جَنّتی بنانے والی صفت

رسولِ پاک ﷺ کے پیارے ساتھی اور خادم حضرت اَنَس بن مالک رضی اللہ عنہُ بیان کرتے ہیں:

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا' ابھی تمہارے پاس ایک ایسا شخص آئے گا جو جَنّتی ہے۔ کچھ دیر بعد ایک انصاری صحابی اس طرح آئے کہ ان کی ڈاڑھی سے وضو کے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتے پکڑے ہوئے تھے۔ اگلے دن بھی نبی ﷺ نے یہی بات دہرائی اور پہلے دن کی طرح وہی انصاری صحابی آئے۔ تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا اور پھر وہی صاحب پہلے کی طرح آئے۔ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اُن صاحب کے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے کہا کہ میرا اپنے والد سے کچھ ایسا معاملہ پیش آ گیا ہے کہ میں نے تین دن تک ان کے پاس نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے' کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں تین دن آپ کے پاس رہوں؟ انہوں نے کہا' ضرور۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے تھے کہ وہ ان صاحب کے ساتھ تین رات رہے۔ انہوں نے ان صاحب کو کسی بھی وقت رات کو عبادت کے لیے اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا' ہاں جب ان کی آنکھ کھلتی تو وہ بستر پر لیٹے ہی لیٹے اللہ کو یاد کر لیتے اور تکبیر (اللہ اکبر) پڑھتے رہتے یہاں تک کہ نمازِ فجر کا وقت ہو جاتا۔ اگر انہوں نے کوئی اور بات بھی کی تو وہ

بھلی ہی بات تھی۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی۔ (یا میں نے ان کو کوئی ایسا کام کرتے نہ دیکھا) جس سے ان کو یقینی طور پر جنّتی کہا جا سکے۔ تو میں نے ان سے کہا' اے اللہ کے بندے! میرے گھر نہ جانے کا اور کوئی سبب نہیں' میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو تین دن متواتر آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے سنا کہ تمہارے پاس ایک ایسا آدمی آئے گا جو جنّتی ہوگا۔ تینوں بار آپ ہی آئے۔ میں نے سوچا کہ میں کچھ وقت آپ کے ساتھ رہوں اور معلوم کروں کہ آپ کون سا خاص عمل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنّتی قرار دیا ہے۔ اسی لیے میں آپ کے پیچھے پیچھے آیا اور تین راتیں آپ کے پاس گزاریں لیکن میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ اب آپ بتائیے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو یہ مرتبہ دیا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا' جو کچھ تم نے دیکھا' میں اس کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں کرتا.......... اب میں (ان سے اجازت لے کر) چلنے لگا تو انہوں نے مجھے پکارا اور کہا' جو تم نے دیکھا' اس کے علاوہ تو کچھ نہیں مگر ہاں میں کسی بھی مسلمان کے لیے اپنے دل میں کوئی برائی اور مَیل نہیں رکھتا' نہ میں کسی سے اس پر جو اللہ نے اسے دیا ہے حَسَد کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا' بس یہی وہ صفت ہے جس کی بِنا پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنّتی قرار دیا ہے۔ (مُسندِ احمد بن حنبل)

ارشاداتِ نبوی ﷺ

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو۔ کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (ابوداوٗد)

اللہ تعالیٰ دِلوں کا حال جانتا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے یہ واقعہ لوگوں کو سنایا:

''ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں آج (اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر) ضرور کچھ خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ رات کو صدقہ دینے کے لیے مال لے کر نکلا مگر (اندھیرے کی وجہ سے) یہ مال ایک چور کے ہاتھ میں دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا کہ گزشتہ رات ایک چور کو خیرات دی گئی۔ اس شخص تک لوگوں کی باتیں پہنچیں تو اس نے کہا' اے میرے اللہ حمد تیرے ہی لیے ہے کہ صدقہ ایک چور کے ہاتھ میں چلا گیا' میں آج رات کو پھر خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ رات کو پھر مال لے کر صدقہ دینے کے لیے نکلا مگر اب ایک بُری عورت کے ہاتھ پر مال رکھ آیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں پھر یہ ذکر ہوا کہ گزشتہ رات ایک بُری عورت کو خیرات دی گئی۔ اس آدمی تک یہ ذکر پہنچا تو اس نے کہا ''اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں کہ صدقہ ایک بُری عورت کو مل گیا' اب آج آنے والی رات کو میں پھر خیرات کروں گا چنانچہ اس (تیسری) رات کو وہ پھر مال لے کر نکلا مگر اب کی بار وہ خیرات ایک دولت مند شخص کو دے آیا۔ (جو اس کا حق دار نہ تھا۔) صبح ہوئی تو لوگوں میں پھر چرچا ہوا کہ رات کو ایک دولت مند شخص کو خیرات دی گئی۔ اس آدمی نے سنا تو کہا' اے میرے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں کہ (میں صرف تیری رضا کی خاطر خیرات کرنے کے لیے نکلا لیکن) صدقہ کبھی ایک چور کے' کبھی ایک بُری

عورت کے اور کبھی ایک دولت مند کے ہاتھ میں چلا گیا۔

وہ اللہ کا بندہ رات کو سویا تو خواب میں اسے بتایا گیا کہ تیرے سارے صدقے (اللہ کی بارگاہ میں) قبول ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ جو صدقہ چور کو دیا گیا وہ اسے چوری سے باز رکھے، جو ایک بُری عورت کو دیا گیا وہ اسے برائی سے روکے اور جو ایک دولت مند کو دیا گیا اس سے وہ عبرت حاصل کرے اور جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے، اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ اگر خیرات صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دی جائے، وہ لاعلمی میں اگر غلط جگہ بھی چلی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ضائع نہیں کرتا، کیونکہ وہ نیّتوں کا حال جانتا ہے اور ان کے مطابق ہی بدلہ دیتا ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہُ رسول اللہ صلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دھوکا باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنّت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)

زندگی کی سب سے بڑی آرزو

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ ہمارے رسولِ پاک ﷺ کے بہت پیارے ساتھی تھے۔ ان کو رسولِ پاک ﷺ سے بے حد مَحبّت تھی۔ وہ صبح سے عشاء تک ہر وقت حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے۔ آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی لاتے اور آپ ﷺ کا کوئی دوسرا کام بھی ہوتا تو وہ بھی کر دیتے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر حضور ﷺ گھر کے اندر تشریف لے جاتے تو وہ اس خیال سے دروازے پر بیٹھ جاتے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آ جائے۔

حضور ﷺ دشمنوں کے خلاف لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے تو ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے۔ ان کی اس دن رات کی خدمت کی وجہ سے آپ ﷺ بھی ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک دن تہجّد کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے فرمایا:

”اے ربیعہ! جو مانگنا ہے مانگ، میں تجھے دوں گا۔“

انہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! میں سوچ کر جواب دوں گا۔“

دوسرے دن حضور ﷺ نے پھر پوچھا: ”اے ربیعہ! تم نے کیا سوچا؟“

انہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! میری یہ آرزو ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے یہ دعا کریں کہ وہ قیامت کے دن دوزخ سے بچائے اور جَنّت میں آپ کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا اس کے علاوہ تمہاری کوئی اور حاجت بھی ہے؟''

حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ُ نے عرض کیا: ''نہیں' یارسول اللہ ﷺ! صرف یہی حاجت ہے اور یہی میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے لیے ضرور دعا کروں گا لیکن اس بات میں تم زیادہ سے زیادہ سجدے (یعنی عبادت) کر کے میری مدد کرو۔''

یہ سن کر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ُ اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

❀

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ُ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسا کام بتائیں جو مجھے جنّت میں داخل کر دے۔ آپ ؐ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا' نماز قائم کر' زکوٰۃ دے اور رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کر۔ (صحیح بخاری)

ہر نیکی میں پیش پیش

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیکی کے ہر کام میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ کچھ دوسرے صحابہؓ کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک رسولِ اکرم ﷺ نے سب صحابہؓ سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''آج تم میں سے کون روزہ سے ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں روزے سے ہوں۔

پھر حضور ﷺ نے پوچھا: ''آج تم میں سے کون کسی جنازہ کے ساتھ گیا ہے؟

حضرت ابوبکرؓ: یارسول اللہ! میں ایک جنازہ کے ساتھ گیا تھا۔

پھر ارشاد ہوا: آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟

حضرت ابوبکرؓ: یارسول اللہ' میں نے۔

حضور ﷺ! آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی بیمار پرسی کی ہے؟

حضرت ابوبکرؓ: ''یارسول اللہ! میں نے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں اتنی نیکیاں کی ہوں' وہ یقیناً جنّت میں جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھ رکھا تھا' اپنے غریب رشتہ داروں کی ضرورتیں بھی پوری کرتے تھے۔ کوئی شخص قرض کے

بوجھ تلے دب جاتا اور ان سے مدد کی درخواست کرتا تو وہ اس کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دیتے تھے۔ قبیلے کے کچھ پڑوسی گھرانوں کی عورتوں کی درخواست پر ان کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ جب ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی تو ایک عورت نے کہا:

''اب ہمیں دودھ دوہ کر کون دیا کرے گا؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں' خلافت کا بار مجھے اس خدمت سے نہیں روکے گا۔

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کے ذریعے روزی کماتے تھے اور وہ ایک کامیاب اور خوش حال تاجر تھے۔ وہ خوب کماتے تھے اور اللہ کی راہ میں بھی خوب خرچ کرتے تھے۔ مکّہ میں کتنے ہی غلاموں کو انہوں نے بڑی بڑی رقموں کے بدلے میں آزاد کرایا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد دوسرے دن کپڑا بیچنے بازار کی طرف چلے تو راستے میں حضرت عُمرِ فاروقؓ مل گئے۔

انہوں نے پوچھا: کدھر جا رہے ہیں؟ جواب دیا' کپڑا بیچنے بازار جا رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ بولے' آپ اب مسلمانوں کے معاملات دیکھیں گے یا تجارت کریں گے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا' یہ کام نہ کروں گا تو خود کیا کھاؤں گا اور بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں گا؟

حضرت عمرؓ انہیں بیت المال (سرکاری خزانے) کے ناظم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور بڑے اصرار کے ساتھ ان کی گزراوقات کے لیے معمولی وظیفہ مقرر کرادیا۔ اپنی وفات تک انہوں نے جتنا وظیفہ لیا' ان کی وصیّت کے مطابق یہ سارا وظیفہ بیت المال میں واپس جمع کرادیا گیا۔

مدینہ منوّرہ کے قریب ایک اندھی اور بوڑھی عورت رہتی تھی۔ وہ بہت غریب اور بے سہارا تھی۔ اس کو گھر کے کام کاج میں مدد دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی حالت کا علم ہوا تو وہ ہر روز صبح سویرے اس کے مکان پر جاتے، گھر میں جھاڑو پھیرتے اور صفائی کرتے، بڑھیا کے گھڑے میں پانی بھرتے اور اس کو کھانا کھلا کر چلے جاتے۔ چند دن کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی کوئی شخص بڑھیا کے تمام کام کاج کر جاتا ہے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کون اللہ کا بندہ ہے جو نیکی کے اس کام میں مجھ سے پہل کر جاتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے وہ ایک دن بڑھیا کے مکان میں کسی جگہ چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہُ بڑھیا کے گھر میں داخل ہوئے اور اس کے کام کاج کرنے لگے۔ یہ ان کی خلافت کا زمانہ تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔

''اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ خدا کی قسم آپ ہی روزانہ (نیکی کے ہر کام میں) پہل کر جاتے ہیں۔

(کنز العمال)

آؤ مرنے کے لیے چلیں

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ کے زمانے میں ملک شام میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں یَرمُوک کی لڑائی سب سے بڑی اور سخت تھی۔ اس میں مسلمانوں کی کل تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی جبکہ ان کے مقابلے میں رومیوں کی تعداد دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس سامانِ جنگ بھی بہت زیادہ تھا لیکن مسلمانوں نے اللہ کے بھروسے پر رومیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے ان کے ہزاروں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر ان کی تعداد کم ہونے میں نہیں آتی تھی اور وہ تازہ دم فوجی دستے میدان میں لے آتے تھے۔ یہ لڑائی کئی دن تک جاری رہی۔ کبھی رومی مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیتے تھے اور کبھی مسلمان رومیوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ ایک دن رومیوں نے اسلامی فوج پر اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ اس طرح فوج کی ساری صفیں ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اسلامی فوج کے جس حصے پر دشمن زبردست دباؤ ڈال رہا تھا اس کے افسر حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام کے مشہور دشمن ابو جہل کے بیٹے تھے اور اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں حصہ لے چکے تھے لیکن جب رسولِ پاک ﷺ نے ۸ ہجری میں مکہ فتح کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رسولِ پاک ﷺ نے ان کی ساری خطائیں معاف فرما دیں۔ اس کے بعد وہ ایسے پکے اور سچے مسلمان بنے کہ ہر وقت اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے

تھے۔ رومیوں کے خلاف جہاد شروع ہوا تو وہ شام جانے والے اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں سے ہونے والی ہر لڑائی میں جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے انہیں فوج کے ایک دستے کا افسر بنا دیا تھا۔ یَرمُوک کی لڑائی میں جس وقت انہوں نے دیکھا کہ رومیوں کا دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور مسلمان بے ترتیبی سے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ان کو سخت جوش آیا۔ انہوں نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور رومیوں کو للکار کر کہا:

"رومیو! میں کسی زمانے میں (اسلام قبول کرنے سے پہلے) خود رسول اللہ ﷺ سے لڑ چکا ہوں، کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا قدم پیچھے ہٹ سکتا ہے؟

خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

پھر اپنی فوج کی طرف دیکھا اور پکارے۔

"آؤ کون میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے؟

ان کی آواز پر چار سَو مجاہد آگے بڑھے اور ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ ان میں حضرت عِکرِمہ رضی اللہ عنہُ کے دو بیٹے بھی شامل تھے۔ پھر ان جانبازوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے نہایت بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک ایک شہید ہو گیا یا سخت زخمی ہو کر لڑنے کے قابل نہ رہا لیکن رومیوں کا منہ بھی پھر گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

حضرت عِکرِمہؓ اور ان کے دونوں بیٹے زخموں سے چُور چُور ہو گئے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید انہیں دیکھنے آئے اور ان کے سروں کو اپنی ران اور پنڈلی پر رکھ لیا پھر ان کے چہروں سے خون پونچھا اور حلق میں پانی ٹپکایا لیکن کچھ دیر بعد تینوں نے دم توڑ دیا اور شہادت کا درجہ پا کر جنّت میں پہنچ گئے۔

ایسے ہی جانبازوں کی بہادری کا نتیجہ تھا کہ رومیوں نے ہر لڑائی میں مسلمانوں سے شکست کھائی اور آخرکار سارے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہا ہوں

جنگِ یَرمُوک، جس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے، اس کا واقعہ ہے کہ ایک دن رومیوں نے اسلامی لشکر پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا۔ ''شب خون'' کا مطلب ہے مخالف فوج پر چھاپا مارنا یا رات کو اس کی بے خبری میں اچانک حملہ کر دینا۔ چنانچہ ایک دن رومی فوج نے منہ اندھیرے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس وقت اسلامی فوج لڑائی کے لیے بالکل تیار نہیں تھی لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہُ نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پانچ سَو کے لگ بھگ سوار اپنے ساتھ لیے اور رومیوں کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ جب تک ساری فوج لڑائی کے لیے پوری طرح تیار نہ ہو گئی، انہوں نے دشمن کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ جب اسلامی فوج تیار ہو کر میدان میں آ گئی تو رومی ذرا پیچھے ہٹ گئے اور اپنی مدد کے لیے اور فوج بلا بھیجی۔ اس طرح رومیوں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کئی گُنا زیادہ ہو گئی لیکن مسلمان تو اللہ کے سپاہی تھے۔ وہ دشمن کی تعداد کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ سب اللہ کی راہ میں جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس وقت قبیلہ ازد کا ایک نوجوان اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہُ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''اے ہمارے امیر! مجھے سب سے پہلے دشمن سے لڑنے کی اجازت دیجیے، میں تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اگر

آپ کوئی پیغام حضور ﷺ کو بھیجنا چاہتے ہیں تو مجھے بتا دیں۔"

اس نوجوان کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ زیادہ دیر صبر نہیں کر سکتا، دشمن سے فوراً لڑنا چاہتا ہے، اس لڑائی میں وہ ضرور شہید ہو جائے گا اور شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دے گا۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نوجوان مجاہد کے شوقِ شہادت اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے پختہ یقین کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور ان پر نوجوان مجاہد کی گفتگو کا اتنا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے نوجوان مجاہد سے فرمایا:

"اے نوجوان! اللہ کے راستے میں لڑنے کے لیے جا، اللہ تیری آرزو پوری کرے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دے، اس وقت ہم سب کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کے بعد عرض کرنا کہ اے اللہ کے سچے رسول، ہم نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور آپ کے طریقے پر سختی سے عمل کر رہے ہیں۔ آپ نے جو بھی وعدے فرمائے تھے وہ پورے ہو چکے ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے اجازت پا کر ازدی نوجوان دوڑ کر میدان میں پہنچا اور اس زمانے کے دستور کے مطابق دشمن کو للکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔ اس کی للکار سن کر رومیوں کے چار جنگجو ایک ایک کر کے اس کے مقابلے پر آئے اور چاروں اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اب رومیوں نے اپنا ایک تجربہ کار نامی جنگجو مقابلے کے لیے بھیجا۔ نوجوان مجاہد اس کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ اب دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی جو شام تک جاری رہی۔ پھر دونوں فوجیں اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چلی گئیں۔

درویش خلیفہ کا دبدبہ

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے (دوسرے) خلیفہ بنے تو انہوں نے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی طرح انتہائی سادہ زندگی اختیار کرلی۔ نہ ان کا کوئی دربار تھا اور نہ کوئی محل، معمولی سے مکان میں رہتے تھے اور مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر خلافت کے (سرکاری) کام کرتے تھے۔ ان کی خوراک بھی بہت سادہ تھی اور لباس بھی معمولی کپڑے کا ہوتا تھا۔ ان کی خلافت کے زمانے میں مسلمانوں نے کئی بڑے بڑے ملک فتح کرلیے جن کا رقبہ لاکھوں مربّع میل تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اتنے سادہ ہوتے ہوئے بھی ان کا اتنا رعب تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی ان کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔

ایک دفعہ روم کے بادشاہ نے اپنا سفیر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ مدینہ منوّرہ پہنچا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے خلیفہ کا محل کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا، ہمارے خلیفہ کا کوئی محل نہیں ہے، وہ عام لوگوں کی طرح اپنے معمولی مکان میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر سفیر بہت حیران ہوا۔ اس کے ذہن میں اپنے بادشاہ کی شان وشوکت تھی اور وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لاکھوں مربّع میل کا فرمانروا اتنا سادہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ اس کا کوئی دربار ہو اور نہ کوئی محل۔ پھر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ اس وقت آپ کا خلیفہ کہاں ہوگا۔ انہوں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کچھ دیر پہلے ہم نے انہیں اس طرف جاتے دیکھا ہے۔

سفیر اس طرف گیا تو اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہیں نظر نہ آئے البتہ ایک عرب خاتون نظر آئی جو اپنے کھیت میں کسی کام میں مشغول تھی۔

سفیر نے اس سے پوچھا' بی بی! آپ نے اپنے خلیفہ کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس نے کہا' ہاں تھوڑی دیر سے ہوئی' وہ اس طرف سے گزرے تھے۔

سفیر نے پوچھا' اس وقت وہ کہاں ہوں گے۔

خاتون نے کھجوروں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' اس وقت وہ اس جھنڈ میں کھجور کے کسی درخت کے سائے میں سو رہے ہوں گے۔

کھجوروں کا یہ جھنڈ وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ سفیر اس طرف گیا تو دور سے اس نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو کچی اینٹوں کا تکیہ بنا کر سوئے ہوئے ہیں اور ان کا دُرّہ (کوڑا) ان کے قریب پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سارا جسم کانپنے لگا۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں کتنے ہی بادشاہ دیکھے ہیں لیکن آج تک مجھے کسی بادشاہ سے خوف محسوس نہیں ہوا' معلوم نہیں مسلمانوں کے اس خلیفہ کو دیکھ کر میرے اوسان کیوں خطا ہو گئے ہیں' میں شیروں اور چیتوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں بھی پھرتا رہا ہوں' میں نے کئی بار لڑائیوں میں بھی حصہ لیا ہے' دشمن کو زخم لگائے بھی ہیں اور اس سے زخم کھائے بھی ہیں لیکن میرے دل نے کبھی کسی بھی موقع پر کمزوری نہیں دکھائی لیکن آج معلوم نہیں کیا بات ہے کہ اس سوئے ہوئے نہتّے آدمی کو دیکھ کر میرے جسم کی بوٹی بوٹی کانپ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں مربّع میل کے مالک اس شخص کی حیران کر دینے والی سادگی نے مجھ پر ہیبت طاری کر دی ہے۔

سفیر دل ہی دل میں ایسی باتیں کر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی۔ سفیر نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے آپ کو سلام کیا اور آپ کو بتایا کہ روم

کے بادشاہ نے مجھے آپ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی شفقت کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے پاس بٹھا کر دیر تک محبت بھرے لہجے میں بات چیت کرتے رہے۔ سفیر پر آپ کے اعلیٰ اخلاق اور آپ کی سادگی کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

(مثنوی مولانا روم سے ماخوذ)

۱- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔ (بخاری و مسلم)

۲- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم سے کوئی بُرا کام دیکھے، اس کو ہاتھ سے روکے، اگر ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں بُرا سمجھے اور یہ ضعیف ترایمان ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک سپاہی کے عہد کا احترام

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ کی خلافت کے زمانے میں ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان بے شمار چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ اس زمانے میں ایرانی آگ کی پُوجا کرتے تھے جبکہ مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ ان لڑائیوں میں ایک زبردست لڑائی ۱۲ ہجری میں عراق میں نمارق کے مقام پر ہوئی۔ اس میں ایرانی فوج کا سپہ سالار جابان تھا جس کا شمار ایران کے نامی بہادروں میں ہوتا تھا جبکہ دوسری طرف اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جو رسولِ پاک ﷺ کے مبارک زمانے ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر کسی وجہ سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ لڑائی میں ایرانی فوج کی تعداد اسلامی فوج سے تین چار گُنا تھی لیکن مسلمانوں میں ایمان کا اتنا جوش تھا کہ دشمن کی تعداد ان سے کتنی ہی زیادہ ہو وہ اس سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ کے بھروسے پر اس سے ٹکرا جاتے تھے۔ ایرانیوں نے اسلامی فوج پر بڑے زور کا حملہ کیا لیکن مسلمان ان کے سامنے پہاڑ کی طرح جمے رہے اور پھر انہوں نے ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے بے شمار آدمی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور بہت سے بھگوڑوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں ایرانیوں کا سپہ سالار جابان بھی

تھا، جس مسلمان سپاہی نے اس کو گرفتار کیا' وہ اس کو پہچانتا نہیں تھا۔ جابان بڑا مکّار آدمی تھے۔ اس نے مسلمان سپاہی سے کہا' بھائی! میں بوڑھا آدمی ہوں تمہارے کس کام آؤں گا' مجھے چھوڑ دو تو میں اپنے بدلے میں تمہیں اتنا کچھ دوں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ مسلمان سپاہی اس کی باتوں میں آ گیا اور اس کو امان دے دی یعنی اس کی جان کی حفاظت کا عہد کر لیا۔ اسے کیا پتا تھا کہ یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر اپنے سپہ سالار حضرت ابوعبیدؒ کے خیمے میں گیا تا کہ ان کے سامنے اپنے عہد کو پختہ کر سکے۔ اسی اثنا میں کچھ لوگوں نے جابان کو پہچان لیا اور انہوں نے غُل مچا دیا کہ یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے' اس کو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔

حضرت ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی باتیں سنیں تو انہوں نے للکار کر کہا:

"اسلام میں عہد توڑنا کسی صورت میں جائز نہیں' ایک مسلمان جابان کو امان دے چکا ہے۔ اب اسے قتل نہیں کیا جا سکتا' ہم سب پر اب اس کا خون حرام ہے۔"

اپنے سپہ سالار کا حکم سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور جابان کو نہ صرف چھوڑ دیا گیا بلکہ حفاظت کے ساتھ ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جہاں اس کی جان کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

مجھ اکیلے کو دعوت قبول نہیں

نمارق کی لڑائی، جس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے، اس میں ایرانیوں نے شکست کھائی تو ایرانی حکومت نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے شہزادہ نرسی کو ایک اور زبردست فوج دے کر مسلمانوں پر حملہ کے لیے بھیجا۔ اس فوج اور اسلامی فوج کے درمیان سقاطیہ کے مقام پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں نے اسلامی فوج پر بار بار زوردار حملے کیے لیکن مسلمانوں کے تیز و تند جوابی حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ بُری طرح شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس لڑائی میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس میں کھانے پینے کی چیزیں بہت بڑی مقدار میں تھیں ان میں کھجور کی ایک قسم ''نرسیان'' بھی تھی۔ یہ بہت ہی مزیدار تھی اور اس میں دل کو لُبھانے والی خوشبو تھی۔ ایرانی فوج کے بڑے افسروں کے سوا یہ اور کسی کو نہیں دی جاتی تھی لیکن جب یہ کئی من کی مقدار میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبید ثقفی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیہ نے یہ کھجوریں اپنی فوج کے سارے سپاہیوں میں تقسیم کیں بلکہ عراق کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا، وہاں کے غریب کسانوں کو بھی کھلائیں اور ان کا پانچواں حصہ مدینہ مُنوَّرہ کے مسلمانوں کے لیے اپنے خلیفہ حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہُ کی خدمت میں بھی بھیجا۔

ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد اسلامی فوج کچھ دن کے لیے سقاطیہ ہی میں ٹھہر گئی، وہاں سے حضرت ابوعبیدؒ نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بھیج کر ارد گرد

کے سارے علاقے کو بھی فتح کر لیا۔ اس علاقے میں بے شمار گاؤں تھے۔ ان میں سے بعض گاؤں کے مالک بڑے بڑے زمیندار یا رئیس تھے۔ ایک دن دو بڑے رئیسوں نے نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوائے اور انہیں لے کر حضرت ابوعبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوعبیدؓ نے ان سے پوچھا: یہ کھانے کیسے ہیں؟

رئیسوں نے عرض کیا: جناب، یہ ہماری طرف سے آپ کی دعوت ہے۔

حضرت ابوعبیدؓ نے فرمایا:

"کیا آپ نے ہماری ساری فوج کے لیے ایسے کھانے پکوائے ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا:

"نہیں جناب! یہ صرف آپ کے لیے ہیں، جلدی میں ہم ساری فوج کے لیے کھانے نہیں پکوا سکے۔"

یہ سن کر حضرت ابوعبیدؓ نے ان کی دعوت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

"ہم سب مسلمان برابر ہیں کوئی ایک مسلمان اپنے کو دوسرے کسی مسلمان سے بڑا نہیں سمجھتا۔ افسوس ہے ابوعبید پر کہ وہ اکیلے اکیلے مزیدار کھانے کھائے اور دوسرے مسلمانوں کو نہ پوچھے، خدا کی قسم جب تک سارے مسلمانوں کے لیے ایسے کھانے مہیّا نہ ہوں گے، میں ان کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

ان رئیسوں نے کہا، ہمیں تھوڑا سا وقت چاہیے ہم ساری فوج کے لیے کھانے پکوائے دیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ واپس گئے اور ساری فوج کے لیے کھانے پکوا کر حضرت ابوعبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب انہوں نے ان کی دعوت قبول کر لی اور جب تک ساری فوج ان کھانوں سے شکم سیر نہ ہوگئی، انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

❀

فتح اور شکست کا راز

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو اسلامی خلافت کی اپنے ہمسایہ طاقتور دشمنوں روم اور ایران سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ مسلمان ایک طرف ایران میں لڑ رہے تھے اور دوسری طرف ملک شام میں جس پر اس زمانے میں روم کا قبضہ تھا۔ ہرقل شاہ روم کے پاس لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل بڑی زبردست فوجیں تھیں جن کے پاس جنگی ساز وسامان کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ان کے مقابلے میں مسلمان فوج تعداد میں بہت کم تھی اور اس کے پاس ساز وسامان بھی واجبی سا تھا۔ اس کے باوجود مسلمان مجاہدین رومیوں کو پے در پے شکستیں دے کر شام کے کئی بڑے شہروں دمشق، حمص، لاذقیہ وغیرہ پر قبضہ کر چکے تھے۔ شاہِ روم ہرقل اپنی فوجوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خود شام آ کر انطاکیہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ دمشق، حمص وغیرہ میں شکست کھا کر جو رومی وہاں سے بھاگے تھے۔ انہوں نے انطاکیہ پہنچ کر ہرقل سے فریاد کی کہ عربوں نے سارے شام کو روند ڈالا ہے۔ ہم نے ان کو روکنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن وہ سیلاب کی طرح آگے ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کو روکنے کی آپ ہی کوئی تدبیر کریں۔

اس فریاد پر ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ تم وہی ہو جنہوں نے ایرانیوں اور ترکوں کو ناکوں چنے چبوائے

اب ایک خانہ بدوش قوم کے گنتی کے سپاہیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ وہ تعداد، ہتھیاروں اور ساز وسامان میں بھی تم سے کہیں کم ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس پر سب نے شرم سے سر جھکا لیے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر ایک تجربہ کار بوڑھا آدمی اٹھا اور آگے بڑھ کر یوں تقریر کی:

بادشاہ سلامت! اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے اُخلاق ہمارے اُخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں، وہ اپنے اللہ کی اطاعت اور اپنے دین کی سختی سے پابندی کرتے ہیں، ان کے لشکر کے ہر آدمی کو زندگی سے زیادہ موت پیاری ہے، لڑتے ہیں تو اپنے اللہ سے مدد مانگتے ہیں، لڑائی میں مارے جانے کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اس لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے ہیں، جنگ کے میدان سے بھاگنے یا ہتھیار ڈالنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ ان کے مقابلے میں ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، دھوم دھڑلّے سے بُرے کام کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ہر کام ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے اور عربوں کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔"

یہ تقریر سن کر ہرقل نے سر جھکا لیا۔ بوڑھے رومی نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے خاموش ہو گیا لیکن دل میں اس کو یقین ہو گیا کہ جس قوم سے رومیوں کو پالا پڑا ہے، وہ اس سے کبھی نہیں جیت سکتے۔

یہ واقعہ ایک اور طریقے سے بھی بیان کیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ اَجنادَین کی لڑائی میں رومیوں کی زبردست فوج کو شکست ہوئی تو کچھ عرصہ بعد اس کے سپہ سالار نے (جو شاہِ روم کا بھائی تھا) ایک عیسائی عرب کو مسلمانوں کے لشکر میں یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ ہر لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کا کیا راز ہے۔ وہ شخص

مسلمانوں کے لشکر میں آ کر گھل مل گیا اور کئی دن تک ان کے ساتھ رہ کر دیکھتا رہا کہ مسلمان دن رات کیسے گزارتے ہیں۔

اس نے دیکھا کہ مسلمان پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، رات کو دیر تک عبادت کرتے رہتے ہیں۔ ہر شخص اپنے امیر کا دل و جان سے فرمانبردار ہے۔ امیر بھی اپنی برائی نہیں جتاتا، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے، سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں۔ اس شخص نے واپس جا کر اپنے سپہ سالار کو یہ باتیں بتائیں تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا، جس قوم میں یہ صفتیں ہوں، اس کا مقابلہ کرنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے حاکموں میں سب سے اچھے وہ حاکم ہیں کہ تم لوگ ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے حق میں دعا کرو اور وہ تمہارے حق میں دعا کریں۔ اور تمہارے حاکموں میں سب سے بُرے حاکم وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔ (صحیح مسلم)

بُت کی ناک

حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ُکے زمانۂ خلافت میں ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں (روم کے بادشاہ کی فوجوں) کے درمیان کئی سال تک خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان سب لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور انہوں نے اس ملک پر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اس کے بعد ۲۰ سنہ ہجری میں مسلمانوں نے مِصر کی طرف توجہ کی۔ اس زمانے میں یہ ملک بھی رومی بادشاہت کے ماتحت تھا۔ مِصر میں قِبطی قوم کے لوگ آباد تھے۔ رومیوں کی طرح وہ بھی عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔ ان کا سب سے بڑا لاٹ پادری مصر کا حاکم تھا۔ اس کا لقب مُقوقِس تھا اور وہ روم کے بادشاہ کا باج گزار تھا۔ باج گزار کا مطلب ہے خراج دینے والا۔ خَراج اُس روپے اور اُن اشیا کو کہتے ہیں جو کسی ریاست یا ملک کا حاکم یا چھوٹا بادشاہ اپنے سے طاقتور حاکم یا بڑے بادشاہ کو دیتا ہے۔

۲۰ سنہ ہجری میں مصر کی مہم حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے رسولِ پاک ﷺ کے مشہور صحابی حضرت عَمرٌو بن عاص رضی اللہ عنہ ُکے سپرد کی اور ان کو چار ہزار فوج دے کر مصر کی طرف روانہ کیا۔ مصر میں قبطی فوجوں کے ساتھ کئی شہروں میں رومی فوجوں نے بھی ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ُنے مِصر میں داخل ہونے کے بعد فرما، بلبیس اور اُمِّ دنین نام کے کئی شہر آسانی سے فتح کر لیے اور پھر آگے بڑھ کر ''قصرِ شمع'' نام کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ مضبوط قلعہ دریائے

نیل کے کنارے پر واقع تھا۔ روم کا بادشاہ اپنے جو افسر مصر بھیجتا تھا وہ اسی قلعے میں رہا کرتے تھے۔ مقوقس حضرت عمروؓ بن عاص کے پہنچنے سے پہلے ہی قلعہ میں پہنچ گیا تھا اور بہت سی فوج جمع کر کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اس کو دریائی راستے سے جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے کمک اور رسد (خوراک) بھی ملتی رہتی تھی اس لیے محاصرہ لمبا ہو گیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر قلعہ کی مضبوطی اور اپنی فوج کی کمی کا حال بیان کیا اور امدادی فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج روانہ کر دی جس کے افسروں میں حضرت زبیرؓ بن عوّام، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت مقدادؓ بن عمرو اور حضرت مَسلَمہؓ بن مخلد جیسے بہادر صحابہ بھی شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک ہزار سواروں کو برابر مانا جاتا تھا۔ محاصرے کو سات مہینے گزر گئے تو ایک دن حضرت زبیرؓ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر سیڑھی کے ذریعے قلعے کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ فصیل کے اوپر پہنچ کر سب نے مل کر "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی حضرت زبیرؓ نے فصیل سے نیچے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور ساری اسلامی فوج تکبیر کے نعرے لگاتی قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔ حکومت کی فوجوں کو مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ اس نے ہتھیار پھینک دیے اور مقوقس نے صلح کی درخواست کی جو حضرت عمروؓ بن عاص نے منظور کر لی اور مصری فوج کو امان دے کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

روم کے بادشاہ کو مُقوقِس کی مسلمانوں سے صلح کی خبر ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوا اور مسلمانوں سے مقابلے کے لیے ایک بڑی فوج مصر روانہ کی جس نے وہاں کے مرکزی شہر اسکندریہ جا کر وہاں کے قلعے میں ڈیرا ڈال دیا۔ سمندر کے کنارے آباد اسکندریہ شہر کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور رومیوں نے اس کی حفاظت کا زبردست انتظام

کر رکھا تھا۔ قصرِ شمع کی فتح کے بعد حضرت عمرؓو بن عاص، حضرت عمرؓ سے اجازت لے کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں اسلامی فوج کو رومیوں اور قبطیوں کے ایک بڑے لشکر نے روکنا چاہا لیکن مسلمانوں نے اس کو شکست دی اور اسکندریہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ اس دوران میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان کبھی کبھی جھڑپیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن شہر فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ کی طرف سے شہر جلد فتح کرنے پر بہت زور دیا جا رہا تھا۔ آخر ایک دن ان کی ہدایت کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام فوج کو جمع کیا اور اس کے سامنے اللہ کے رستے میں جہاد پر ایسا اثر والا خطبہ دیا کہ مسلمانوں کو سخت جوش آیا اور وہ شہر کو فوراً فتح کرنے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے پر تُل گئے۔ حضرت عمرؓو بن عاص نے حضرت عبادہؓ بن صامت کو جو برسوں رسولِ پاک ﷺ کے ساتھ رہے تھے، بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجیے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو دیا کہ یہ سپہ سالار کا جھنڈا ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ پھر حضرت زبیرؓ بن عوّام اور حضرت مَسلَمہ بن مخلّد کو ہراول (فوج کے اگلے دستوں) کا افسر بنایا اور قلعے پر اس زور کا حملہ کیا کہ قلعے اور شہر والے ہمت ہار بیٹھے اور ہتھیار پھینک دیے۔ اس طرح شہر فتح ہو گیا۔ اگرچہ اس شہر کو فتح کرنے میں مسلمانوں کو سخت مشکل پیش آئی تھی لیکن مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت عمرؓو بن عاص نے شہر میں داخل ہو کر سب لوگوں کو امان دے دیا یعنی ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان سے وعدہ کر لیا کہ اگر انہوں نے کوئی شرارت نہ کی تو ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ان کے گرجوں یا عبادت کی جگہوں کو نہیں چھیڑا جائے گا۔

شہر فتح ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شہر کے ایک چوک میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا بہت بڑا بُت رکھا ہوا تھا۔ یہ بت پتھر کا

بنا ہوا تھا اور شہر کے لوگ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ایک دن رات کو اسلامی فوج کے کسی سپاہی نے اس بُت کی ناک کسی طریقے سے توڑ ڈالی۔صبح ہوئی تو شہر کے لوگوں نے اس بُت کو ناک کے بغیر دیکھا تو ان کو سخت صدمہ پہنچا اور ان کے بہت سے معزز آدمی مل کر حضرت عمروؓ بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ کسی مسلمان نے رات کو ہمارے خداوند یسوع مسیح کے مجسّمے کی ناک اڑا ڈالی ہے۔اس لیے ہمیں سخت تکلیف پہنچی ہے۔آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ مسلمان ہماری جان و مال اور دوسری چیزوں کی حفاظت کریں گے لیکن جس نے یہ حرکت کی ہے اس نے ہمارے ساتھ کیا گیا وعدہ توڑ ڈالا ہے۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے ان کی شکایت غور سے سنی اور فرمایا:

''بھائیو! اگرچہ ہمارا دین بتوں کو پوجنے یا ان کو مقدس سمجھنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن ہم اپنی حفاظت میں لیے گئے لوگوں کے بتوں یا عبادت والی جگہوں کو بھی ہرگز نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔میں پوری کوشش کروں گا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اس کو پکڑ کر سزا دوں لیکن اس کام میں کچھ وقت لگے گا۔

فوری طور پر تو میں یہ کرسکتا ہوں کہ آپ اس بت کی مَرمّت کرالیں اس پر جو خرچ اٹھے گا وہ میں ادا کروں گا۔

مصریوں نے کہا' حضور اس طرح ہمارے دل ٹھنڈے نہیں ہوں گے۔ہم چاہتے ہیں کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے آپ اسے پکڑ کر ہمارے حوالے کردیں' ہم اس کی ناک کاٹ لیں گے۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے فرمایا:

''اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں تو کل میں ساری فوج کو جمع کروں گا اور کوشش کروں گا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے' اسے پکڑ کر آپ

کے حوالے کر دوں۔ کل آپ بھی فلاں میدان میں آ جائیں۔"

دوسرے دن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام فوج کو جمع کیا اور اس کے سامنے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں نے شہر کے لوگوں کی شکایت دور کرنے کے لیے یہ وعدہ کیا ہے کہ جس شخص نے اس بُت کی ناک توڑی ہے اسے ان کے حوالے کر دیا جائے گا تا کہ وہ اس کی ناک کاٹ کر بدلہ لے لیں۔ اگر ایسا شخص تمہارے درمیان موجود ہے تو وہ سامنے آ جائے۔

حضرت عمروؓ کی تقریر کے جواب میں ساری فوج خاموش رہی اور کوئی شخص سامنے نہ آیا۔ اب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصریوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ لوگوں کی طرف سے جو صاحب اس واقعہ کے ذمہ دار کی ناک کاٹیں گے وہ آگے آ جائیں۔"

اس پر شہر کا لاٹ (بڑا) پادری آگے بڑھا اور حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

حضرت عمروؓ بن عاص نے اس سے فرمایا:

"پادری صاحب! چونکہ سپہ سالار کی حیثیت سے شہر والوں کی جان و مال وغیرہ کی حفاظت کا ذِمّہ میں نے لیا تھا اس لیے اس افسوسناک واقعہ کی ذمہ داری بھی میں لیتا ہوں۔ یہ لیجیے میری تلوار اور میری ناک کاٹ لیجیے۔"

حضرت عَمروؓ کی بات سن کر فوج کے تمام افسر اور دوسرے مسلمان تڑپ اٹھے۔ ساتھ ہی فوج کی ایک صف میں سے ایک سپاہی باہر آیا اور دوڑ کر لاٹ پادری کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"ٹھہریے! ٹھہریے! یہ قصور میں نے کیا ہے اور میں اس کی سزا بھگتنے

کے لیے تیار ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پہلے خاموش رہا۔اب میں حاضر ہوں' میری ناک کاٹ لیجیے۔''

یہ نظارہ دیکھ کر شہر کے لوگ حیران رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اپنی ناک کٹنے کے لیے پیش کر سکتا ہے اور اب اصل قصوروار بھی سزا بھگتنے کے لیے سامنے آ گیا ہے۔

لاٹ پادری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

''خداوند یسوع مسیح کی قسم میں نے آج تک نہ ایسا انصاف دیکھا ہے اور نہ تم جیسے انسان دیکھے ہیں جو اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ تم جیسے لوگوں سے بدلہ لینا بھی گناہ ہے۔ جاؤ میں لاٹ پادری کی حیثیت سے تمہارے آدمی کی غلطی کو معاف کرتا ہوں۔ اللہ کرے تمہاری حکومت اس شہر پر ہمیشہ قائم رہے۔''

مسلمانوں کا ایسا ہی اعلیٰ اخلاق اور ان کے طور طریقے تھے جنہیں دیکھ کر اسلام ایک صدی کے اندر ہی دنیا کے بڑے حصے میں پھیل گیا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوالہیثمؓ بن تیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے' وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

جو دین پسند ہو وہی اختیار کر سکتے ہو

۲۰ ہجری میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی تو قدم قدم پر قبطیوں اور رومیوں نے ان کا مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے ہر لڑائی میں ان کو شکست دی اور بالآخر سارا مصر فتح کرلیا۔ ان لڑائیوں میں بے شمار رومیوں اور قبطیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ ان سب کو جمع کر کے کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں، ان پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی، اگر اسلام قبول کرلیں تو ان کو وہ تمام حُقُوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیں تو ان کی جان و مال اور عبادت کی جگہوں کی حفاظت کی جائے گی' بس فوجی خدمات کے عوض ان کو جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذِمّیوں سے لیا جاتا ہے۔

اب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام قیدیوں کو جو تعداد میں کئی ہزار تھے' ایک جگہ جمع کیا پھر سرکردہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو بلایا اور ان کو الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بٹھایا۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا' ان کے سامنے حضرت عمرؓ کا فرمان پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام اور مسلمانوں کی خوبیوں سے واقف ہو گئے تھے' اسلام قبول کرلیا اور باقی اپنے مذہب

پر قائم رہے۔ جب کوئی قیدی اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت پر قائم رہنے کا اعلان کرتا تھا تو تمام عیسائی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے لیکن مسلمانوں کو اس قدر غم ہوتا تھا کہ اکثر کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ مسلمانوں کے غم کا سبب ان کا یہ خیال تھا کہ ان کو ہدایت پانے کا موقع دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس موقع کو ضائع کر دیا...... دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک قیدیوں کا ایک حصہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی برادری میں داخل ہو گیا اور دوسرا حصہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ذِمّیوں میں شامل ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا کبھی کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔

❀

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (اس لیے اس کو ضرور ادا کرنا چاہیے۔) (طبرانی)

کلامِ الٰہی کی تاثیر

پہلی صدی ہجری میں حضرت ابوالعالیہ ریاحی بہت بڑے عالم گزرے ہیں ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے رسولِ پاک ﷺ کے کتنے ہی ساتھیوں (صحابہؓ) سے علم حاصل کیا تھا۔ ان میں حضرت علیؓ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ حضرت ابوایُّوب انصاریؓ حضرت اُبَیؓ بن کعب جیسے اونچی شان والے صحابہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے اُمّت کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ ان کا اصل نام رفیع بن مہران تھا اور وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ شروع میں ایک عرب قبیلے بنوریاح کی ایک نیک خاتون کے غلام تھے۔ وہ خاتون ایک دن ان کو مسجد میں لے گئی اور نمازیوں کے سامنے یہ کہہ کر ان کو آزاد کر دیا کہ لوگو! گواہ رہنا' میں اس کو اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کر رہی ہوں پھر اس نے دعا مانگی کہ اے اللہ میں ابوالعالیہ کو اس لیے آزاد کر رہی ہوں کہ قیامت کے دن میرا یہ کام میری نیکیوں میں شمار ہو۔

علم حاصل کرنے کے بعد حضرت ابوالعالیہ خود علم کا سمندر بن گئے۔ قرآن' حدیث اور فقہ میں ان کا رتبہ اتنا بلند تھا کہ صحابۂ کرام بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ قرآن مجید اور اس کی تلاوت سے اس قدر رغبت تھی کہ ایک رات میں ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ایسا کرنے میں دِقّت محسوس کی تو دو راتوں میں پھر تین راتوں میں قرآن ختم کرنے لگے۔ جب اس میں بھی مشکل محسوس کی تو

پھر سات دنوں میں قرآنِ پاک ختم کرنے لگے۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کی آپس میں جو لڑائیاں ہوئیں، انھوں نے ان میں سے کبھی کسی میں حصہ نہیں لیا۔

ایک دفعہ حضرت ابوالعالیہ کی ٹانگ میں شدید درد ہوا۔ یہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا کہ برداشت نہ ہو سکتا تھا۔ طبیب سے مشورہ کیا تو اس نے بتایا کہ ٹانگ کو کاٹا نہ گیا تو جس زہریلے مادّے کی وجہ سے اس میں درد ہو رہا ہے، وہ سارے جسم میں پھیل جائے گا اور جان لے کر ٹلے گا۔ طبیب کی رائے سن کر حضرت ابوالعالیہؒ ٹانگ کٹوانے پر تیار ہو گئے اور طبیب سے کہا کہ آپ ٹانگ کاٹنے کا سامان لے آیئے۔

طبیب ہڈی کاٹنے کا سامان لے کر آیا تو اس نے حضرت ابوالعالیہؒ سے کہا کہ حضرت آپ کو ایک بے ہوش کر دینے والی دوا پینی ہو گی تاکہ ٹانگ کاٹتے وقت آپ کو تکلیف نہ ہو۔

حضرت ابوالعالیہؒ نے فرمایا، اگر میں آپ کو کوئی ایسا طریقہ بتاؤں کہ آپ بے ہوشی کی دوا پلائے بغیر ہی اپنا کام کر لیں تو کیا مناسب نہ ہو گا۔

طبیب نے کہا، حضرت ایسا طریقہ ضرور بتایئے۔

حضرت ابوالعالیہؒ نے فرمایا:

"آپ کسی ایسے قاری کو بلایئے جو تجوید و قرأت کے صحیح طریقے کے ساتھ قرآنِ حکیم کی خوش الحانی سے تلاوت کرتا ہو، وہ میرے پاس بیٹھ کر قرآنِ پاک کی تلاوت شروع کر دے۔ جب آپ دیکھیں کہ میری آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ چکی ہیں۔ پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا ہے اور میرا چہرہ سرخ ہو چکا ہے تو پھر میری ٹانگ کاٹنے کا کام شروع کر دیجیے گا۔

طبیب نے ان کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور جب کلامِ الٰہی کی تلاوت سنتے

سنتے ان پر بے ہوشی جیسی کیفیت طاری ہوگئی تو اس نے ان کی ٹانگ کاٹ دی۔
جب ان کو ہوش آیا تو طبیب نے پوچھا' ٹانگ کٹتے وقت آپ نے تکلیف محسوس نہیں کی؟

حضرت ابوالعالیہؒ نے فرمایا' کلامِ الٰہی کی تاثیر نے مجھے کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا اور میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں پڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

پھر انہوں نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کو ہاتھ میں پکڑ کر کہا' قیامت کے دن جب میں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گا تو عرض کروں گا کہ الٰہی میں زندگی بھر اس ٹانگ کے ساتھ کبھی کسی ایسے کام کی طرف نہیں گیا جس سے تو نے منع کیا ہو اور یہ تو جانتا ہے' اب مجھے اپنی رحمت کے سائے میں ڈھانپ لے۔

اس کے بعد حضرت ابوالعالیہؒ بچھونے پر ہی نماز پڑھتے اور تکیہ پر سجدہ کرتے تھے۔

انہوں نے ۹۳ہجری میں وفات پائی۔

بے مثال حافظہ

امام ابنِ شہاب زُہری رحمۃ اللہ علیہ پہلی دوسری صدی ہجری میں بہت بڑے عَالِم گزرے ہیں۔ انہوں نے مختلف دینی عُلوم رسولِ پاک ﷺ کے بہت سے پیارے ساتھیوں (صحابہؓ) اوران کے شاگردوں (بزرگ تابعین) سے حاصل کیے تھے۔ یوں تو ان کو دین کے سارے ہی علوم پر عبور حاصل تھا لیکن قرآنِ پاک اور حدیث کے تو وہ ایسے سمندر تھے جس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے مثال حافظہ عطا کیا تھا۔ حافظہ' یادداشت کی قُوّت کو کہتے ہیں۔ ان کے بے مثل حافظے کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے صرف اَسّی دن میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ ان کو ہزاروں حدیثیں بھی اس طرح یاد تھیں کہ جب کبھی سناتے تو ان کا ایک لفظ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ بنوامیہ کے دسویں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے (جس نے ۱۰۵ ہجری سے ۱۲۵ھ تک حکومت کی) امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ میرے بیٹوں کے لیے کچھ حدیثیں لکھوا دیجیے۔ امام صاحبؒ نے کاتب کو چار سَو حدیثیں لکھوا دیں اور انہیں ہشام کے پاس بھیج دیا۔ چند دن بعد خلیفہ ہشام کو ایک عجیب بات سوجھی۔ وہ امام صاحب کو بہت بڑا عالم تو مانتا تھا لیکن وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ علمِ حدیث پر ان کو کتنا عبور حاصل ہے اور ان کے حافظہ کا کیا حال ہے۔ اس نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینے کی غرض سے ان کو پیغام بھیجا (یا ان کو بلاکر

ان سے کہا) کہ وہ کتاب جس میں آپ نے چار سَو حدیثیں لکھوائی تھیں، کہیں گُم ہو گئی ہے، آپ ان کو دوبارہ لکھوا دیں، میں اس تکلیف کے لیے آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا، کوئی بات نہیں، مَیں یہ حدیثیں دوبارہ لکھوا دوں گا۔ پھر انہوں نے کاتب کو بلایا اور وہی چار سَو احادیث دوبارہ لکھوا کر ہشام کو بھیج دیں۔ ہشام نے دوسری کتاب کے ملنے پر پہلی کتاب نکالی اور دونوں کا مقابلہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دونوں کتابوں میں لکھی ہوئی احادیث میں ایک حرف کا بھی فرق نہ تھا۔

خلیفہ ہشام نے امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ کی قدر دانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس نے انہیں اپنے بیٹوں کا اتالیق مقرر کر دیا تھا اور ان کا ہزاروں روپے کا قرضہ ادا کر دیا۔ ایسا کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ بہت سخی تھے اور روپے پیسے کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتے رہتے تھے۔ جب پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر ان کی حاجتیں پوری کرتے تھے۔ اس طرح بار بار مقروض ہو جاتے تھے۔ وہ جس طرح روپے پیسے کی دولت لُٹاتے رہتے تھے، اسی طرح علم کی دولت بھی انہوں نے بے دریغ لُٹائی اور ہزاروں طالبانِ علم کو اپنے علم کے سمندر سے سیراب کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں زُہریؒ کا کوئی مثل نہ تھا۔ امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عُمَر بن عبدالعزیزؒ کی انگوٹھی

بنواُمیّہ کے آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت نیک اور اللہ سے ڈرنے والے انسان تھے۔ وہ خلیفہ بننے سے پہلے بڑی امیرانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کا لباس اور جُوتے اتنے قیمتی ہوتے تھے کہ کوئی غریب آدمی ان کو خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خوشبو اتنی اعلیٰ استعمال کرتے تھے کہ جس راستے سے گزرتے تھے وہ راستہ مہک جاتا تھا۔ لیکن جب وہ ۹۹ ہجری (۷۱۷ عیسوی) میں خلیفہ بنے تو اتنی سادہ زندگی اختیار کرلی کہ دوسرے راشد خلیفہ حضرت عُمَرِ فاروق رضی اللہ عنہُ کی یاد تازہ ہوگئی۔ اب ان کا لباس معمولی کپڑے کا ہوتا تھا اور اس کا بھی صرف ایک جوڑا ان کے پاس ہوتا تھا۔ بعض دفعہ اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے۔ کھانا بھی بہت معمولی ہوتا تھا اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔ ان کی سلطنت لاکھوں مربّع میل پر پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ ایک معمولی مکان میں رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے زمانے میں ملک کے بعض حصوں میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا اور لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر ہوئی تو وہ تڑپ اٹھے۔ انہوں نے بیت المال (سرکاری خانے) کا منہ کھول دیا اور قحط والے علاقے کے لوگوں کی مدد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خلیفہ بننے سے پہلے انہوں نے ایک خوبصورت انگوٹھی خرید کر اپنی ایک انگلی میں پہنی تھی۔ اس انگوٹھی کا نگ اتنا قیمتی تھا کہ جوہری

اس کی قیمت لگانے سے عاجز تھے۔ قحط کی خبر سنتے ہی انہوں نے یہ انگوٹھی اتار کر حکم دیا کہ اسے بیچ دیا جائے اور جس قدر رقم حاصل ہو اس کو غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ انگوٹھی بیچنے سے اتنی رقم حاصل ہوگئی کہ سات دن تک ملک بھر کے غریبوں اور محتاجوں میں بٹتی رہی اور وہ سب خوشحال ہو گئے۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا' اے امیر المومنین یہ آپ نے کیا کیا؟ اس انگوٹھی کے نگ جیسا نگ تو اب دنیا بھر میں کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے فرمایا:

”بھائی! یہ بات اللہ تعالیٰ کو کیسے پسند آ سکتی ہے کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہوں اور میں قیمتی انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پہنے رہوں حالانکہ ان لوگوں کی حفاظت اور ان کی ضرورتیں پوری کرنا میرا فرض ہے۔ یہ نہ کر سکا تو کل اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔“

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور (مردوں کو) ریشم پہننے سے منع کیا۔ (صحیح بخاری)

سب سے بڑی خواہش

دوسرے عبّاسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ بڑے عبادت گزار، بڑے عالم اور اللہ والے بزرگ تھے۔ آپ کو شاہی درباروں میں جانا یا امیر لوگوں کے پاس جانا بالکل پسند نہیں تھا۔ آپ اس خیال سے کہ شاید خلیفہ کو کوئی نصیحت کرنے کا موقع مل جائے' اس کے دربار میں تشریف لے گئے۔ خلیفہ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آیا اور آپ کو اپنے پاس شاہی مَسند پر بٹھایا پھر کچھ دیر آپ سے گفتگو کرتا رہا۔ جب آپ رخصت ہونے لگے تو اس نے بڑے ادب سے کہا کہ:

''اگر آپ کو کسی چیز کی خواہش ہو تو مجھے آپ کی خواہش پوری کر کے بڑی خوشی ہوگی''

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے جواب فرمایا:

''میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے دوبارہ اپنے دربار میں طلب نہ کریں''

یہ سن کر خلیفہ منصور حیران رہ گیا اور کہا:

''اب آپ کو یہاں تشریف لانے کی تکلیف نہیں دوں گا۔''

خلیفہ قاضی کی عدالت میں

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی نے ۱۵۸ ہجری (۷۷۵ عیسوی) سے ۱۶۹ ہجری ۷۸۵ عیسوی) تک حکومت کی۔ اس کی خلافت یا حکومت لاکھوں مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی اور دنیا کا کوئی اور حکمران اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اتنا بڑا حکمران ہونے کے باوجود وہ بڑا سادہ مزاج' نیک دل اور انصاف پسند انسان تھا۔ اس کو اپنی رعایا کی بہتری اور آسائش کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی ایسا انتظام کیا کہ اس کے ملازم محل کے باہر چادر بچھا دیتے تھے۔ لوگ اپنی درخواستیں اس چادر پر ڈال دیتے تھے اور ملازم یہ درخواستیں جمع کر کے خلیفہ مہدی کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ خلیفہ ان درخواستوں پر فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھتا تو اپنے پاس بڑے بڑے قاضی (جج) بھی بٹھا لیتا تھا تا کہ وہ دیکھیں کہ اس کا کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف تو نہیں اور اس سے درخواست دینے والے کو انصاف مل گیا ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ درخواستوں پر فیصلے کر رہا تھا کہ ایک شخص نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"امیر المؤمنین ! اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے خلاف شکایت پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک درخواست کے ذریعے اپنی شکایت آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے تو آپ اس کے ساتھ پورا انصاف فرماتے ہیں۔ لیکن کسی شخص کو خود امیر المؤمنین کے خلاف شکایت ہو تو فرمایئے

کہ وہ کس کے پاس جا کر شکایت کرے۔ اے امیر المومنین! میں یہ شکایت آپ کے سامنے پیش کروں یا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کرنے کے لیے رکھ چھوڑوں؟''

خلیفہ مہدی نے اس پر شفقت بھری نظر ڈالی اور بڑی نرمی سے کہا۔

''بھائی! تمہارا فیصلہ شریعت کے مطابق ہوگا۔''

یہ کہہ کر خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس شخص سے کہا:

''چلو بھائی قاضی کی عدالت میں چلیں تم میرے خلاف اپنی شکایت قاضی کے سامنے پیش کرو۔''

خلیفہ اور وہ شخص دونوں قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے۔ اس شخص نے قاضی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ قاضی نے اس سے کہا' جو شکایت تم خلیفہ کے خلاف کر رہے ہو کیا تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت موجود ہے؟ اس شخص نے کہا۔

''جی ہاں! یہ امیر المومنین کی تحریر میرے پاس موجود ہے۔ جس میں انہوں نے فلاں جائداد میرے نام ہبہ کر دی ہے۔ (یعنی اس کا مالک مجھے بنا دیا ہے۔) لیکن اس پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔''

قاضی نے یہ تحریر دیکھ کر خلیفہ سے پوچھا:

''کیا یہ تحریر آپ ہی کی ہے؟

خلیفہ نے کہا: ''جی ہاں''

قاضی نے اسی وقت شکایت کرنے والے کے حق میں فیصلہ دے دیا اور خلیفہ کو حکم دیا کہ اس جائداد کو فوراً اس شخص کے حوالے کر دیں۔

خلیفہ نے قاضی کا فیصلہ خوشی سے قبول کر لیا اور اپنے ایک درباری افسر کو ہدایت کی کہ فلاں جائداد اس شخص کے حوالے کر دو اور اس سے لکھوا لاؤ کہ مجھے انصاف مل گیا ہے اور اب خلیفہ کے خلاف مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔

شاہی محل کے دو عَیب

عباسی خلیفہ مہدی نے اپنے زمانۂ حکومت میں ایک عالی شان نیا محل تعمیر کرایا۔اس محل میں اس نے دو تین سیر گاہیں بھی بنوائیں اور لوگوں کی تفریح کے لیے کچھ اور چیزیں بھی وہاں رکھوائیں پھر اس نے حکم دیا کہ جو بھی اس محل کی سیر کرنا چاہے اس کو محل میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ میرے خیر خواہ اس محل کی سیر کر کے خوش ہوں گے اور ہو سکتا ہے کچھ ایسے لوگ بھی آئیں جو ایسا مشورہ دیں جس سے محل کی خوبصورتی میں اضافہ ہو یا اس کا کوئی نقص بتائیں جسے دور کرنے سے محل اور بھی خوبصورت ہو جائے۔لوگوں کو خلیفہ کے حکم کا پتا چلا تو محل کی سیر کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔خلیفہ کو یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ جو بھی محل کی سیر کو آتا وہ اس کی تعریفوں کے پُل باندھ دیتا۔

ایک دن ایک درویش بھی محل دیکھنے آیا۔ وہ اس کی سیر کر رہا تھا کہ خلیفہ بھی پھرتے پھراتے وہاں آ گیا۔اس نے درویش سے پوچھا' آپ کو یہ محل کیسا لگا؟

درویش نے کہا:

''اس محل میں دو عَیب ہیں ایک تو یہ کہ نہ آپ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نہ کوئی اور' ایک دن ہم سب کو قبر میں چلے جانا ہے جو تنگ اور تاریک ہوتی ہے اور دوسرا عیب یہ ہے کہ ایک دن یہ محل بھی اسی طرح کا کھنڈر بن جائے گا جس طرح پہلے زمانے کے بادشاہوں کے محل

آج کل کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ قدرت کا قانون ہے کہ کوئی عمارت ہزاروں سال تک سلامت نہیں رہ سکتی۔ ہر شے جلد یا دیر سے فنا ہو جائے گی۔"

یہ سن کر مہدی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت محل کو غریبوں اور محتاجوں کے حوالے کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح بیسیوں بے سہارا غریبوں اور محتاجوں کو رہنے کا ٹھکانا مل گیا۔ خلیفہ کے حکم سے ان کو ان کی ضرورتوں کا سامان بھی مہیّا کر دیا گیا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت محمود بن لبیدؓ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند کرتا ہے۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مُسندِ احمد)

ساری عمر کا افسوس

خلیفہ ہارون الرشید جس نے ۱۷۰ھ ہجری سے ۱۹۳ھ ہجری تک حکومت کی' عبّاسی خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کی سلطنت لاکھوں مربّع میل پر پھیلی ہوئی تھی جس میں ہر مذہب کے لوگ بڑے امن چین سے رہتے تھے۔ اس نے اپنے سلطنت کا سب سے بڑا جج (چیف جسٹس یا قاضی القضاۃ) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو بنایا تھا۔ وہ انصاف کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم ہر ایک سے ایک جیسا سلوک کرتے تھے اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی کسی قسم کی رعایت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ خود خلیفہ کو بھی ان کا فیصلہ ماننا پڑتا تھا۔

ایک دفعہ ایک بوڑھے عیسائی نے ان کی عدالت میں خلیفہ کے خلاف دعوٰی دائر کر دیا۔ اس کا بیان تھا کہ خلیفہ نے اس کے باغ پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ یہ باغ اس کے ناجائز قبضے سے چھڑا کر مجھے واپس دلایا جائے۔ امام صاحبؒ نے خلیفہ کو عدالت میں طلب کر لیا اور اس سے بوڑھے عیسائی کے دعوے کے بارے میں بیان لیا۔ خلیفہ نے بیان دیا کہ مُدّعی کا دعوٰی صحیح نہیں نہ وہ باغ کا مالک تھا اور نہ اس پر زبردستی قبضہ کیا گیا ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کا بیان اسی صورت میں قبول کیا جا سکتا ہے کہ آپ یہ بیان حَلف (قسم) اٹھا کر دیں۔ خلیفہ نے حَلف اٹھایا تب کہیں جا کر انہوں نے بوڑھے عیسائی کا دعوٰی خارج کیا لیکن وہ مرتے دم تک افسوس کرتے رہے کہ

میں نے عدالت میں خلیفہ کو مُدّعی کے برابر کیوں نہ کھڑا کیا۔

اس سے پہلے خلیفہ الہادی کے زمانے میں انہوں نے ایک مقدمہ میں خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔ ان کی شان اور ان کا مرتبہ یہ تھا کہ جب ۱۸۲ھ ہجری وہ فوت ہوئے تو خلیفہ ہارون الرشید خود ان کے جنازے کے ساتھ پیدل گیا' خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں اپنے خاندان کے قبرستان میں دفن کیا۔

۱- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں البتہ تقوی کی بِنا پر تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مُسندِ احمد)

۲- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جنّت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبّر ہو گا۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

ذہین شہزادہ

دوسری صدی ہجری میں امام علی بن حمزہ کسائیؒ عربی زبان کے بہت بڑے عالم اور قاری گزرے ہیں۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید ان کی بہت قدر کرتا تھا اور اس نے اُن کو اپنے بیٹے مامون کا استاد مقرر کر دیا تھا۔ امام کسائیؒ شہزادہ مامون کی قرأت سنا کرتے تھے۔ اگر وہ صحیح پڑھتا تھا تو وہ گردن ہلاتے رہتے تھے اور اگر وہ پڑھنے میں کہیں غلطی کرتا تھا تو وہ سر اٹھا کر اس کی طرف غور سے دیکھنے لگتے تھے۔ جب وہ اس طرح دیکھتے تھے تو مامون سمجھ جاتا تھا کہ اس نے کوئی غلطی کی ہے۔ پھر وہ ٹھیک طریقے سے پڑھتا تھا۔ ایک دن مامون نے قرآنِ پاک کی سورۂ صف کی یہ آیت پڑھی۔

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ O

یعنی اے ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

یہ سن کر امام کسائیؒ نے سر اٹھایا اور مامون کو دیکھنے لگے۔ مامون نے دوبارہ یہ آیت پڑھی اور پہلے کی طرح پڑھی کیونکہ اس نے پڑھنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اب امام کسائیؒ گردن ہلانے لگے لیکن مامون کے دل میں کھٹک پیدا ہوگئی کہ امام صاحب نے پہلے اس کی طرف جس انداز سے دیکھا تھا اس میں ضرور کوئی راز تھا۔

پورا سبق سنانے کے بعد مامون اپنے والد خلیفہ ہارون الرشید کے پاس گیا اور اس سے کہا:

''ابا جان! آپ نے امام کسائی سے کوئی وعدہ کیا تھا جو آپ نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔ امام صاحب آپ کو وہ وعدہ یاد دلانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔''

ہارون الرشید نے کہا:

''ہاں' کسائی نے قاریوں کے لیے کچھ مدد چاہی تھی اور میں نے مدد دینے کا وعدہ کرلیا تھا' کیا کسائی نے تم سے اس بارے میں کچھ کہا؟

مامون نے کہا: نہیں تو

ہارون نے کہا' پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے ان سے کوئی وعدہ کیا تھا؟

مامون نے آیت والا سارا ماجرا سنایا۔ یہ سن کر ہارون بہت خوش ہوا اور اپنے بیٹے کو اس کی ذہانت پر شاباش دی۔ پھر اس نے امام کسائی ؒ سے کیا ہوا وعدہ فوراً پورا کر دیا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو نیک بیٹا ماں باپ کی طرف رحمت و شفقت کی نظر سے دیکھے اللہ اس کے حساب میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

(بیہقی)

وزیرِ اعظم کی گواہی نامنظور

پانچویں عبّاسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ساری عباسی سلطنت کے قاضی القُضاۃ (سب سے بڑے قاضی یا سب سے بڑے جج یعنی چیف جسٹس) تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی عدالت میں خلیفہ ہارون الرشید کا وزیرِ اعظم کسی مقدّمہ میں گواہی دینے کے لیے پیش ہوا۔ امام صاحبؒ نے اس کی گواہی لینے سے انکار کر دیا اور اس کو ایسا گواہ قرار دیا جس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

وزیرِ اعظم نے امام صاحب کے فیصلے کو اپنی توہین اور بے عزّتی سمجھا اور خلیفہ سے شکایت کی۔ خلیفہ نے امام صاحبؒ سے سلطنت کے وزیرِ اعظم کی گواہی نامنظور کرنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کو "اَنَا عَبْدُ الْخَلِیْفَۃُ" (میں خلیفہ کا غلام ہوں) کہتے سنا ہے۔ اگر یہ واقعی غلام (یا ملازم) ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اگر اس نے خوشامد کی بنا پر یہ بات کہی تو اس نے جھوٹ بولا اور جھوٹے کی گواہی کسی صورت میں قبول نہیں کی جا سکتی جو شخص خلیفہ کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہے وہ میری عدالت میں جھوٹ بولنے سے کیسے باز رہے گا۔

امام صاحبؒ کا جواب سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔ امام صاحبؒ نے ایک اور موقع پر خلیفہ کے ایک سپہ سالار کی گواہی بھی اس بنا پر قبول نہ کی کہ اس نے خلیفہ کی

خوشامد کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کا غلام کہا تھا۔ یہ فیصلہ کر کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سبق دیا کہ کسی کی خوشامد کرنا خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، بہت بری بات ہے۔ خود ہمارے رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم تعریف میں مبالغہ کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو (یعنی ان کی خوشامد کو قبول نہ کرو)

۱۔ حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو اُسے چاہیے کہ اُسے نیک مشورہ دے۔ (ابن ماجہ)

۲۔ حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تجھ سے مشورہ لے تو اس کو نیک مشورہ دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو امانت میں خیانت کی۔ (مُسندِ امام اعظم کتاب الادب)

خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا

خلیفہ ہارون الرشید ایک دفعہ خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

''خدا کی قسم! تم نے نہ تو مال کی تقسیم برابر کی اور نہ انصاف سے کام لیا بلکہ فلاں فلاں برائیاں کیں''

اس شخص کی باتیں سن کر ہارون الرشید غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ نماز کے بعد اس شخص کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے ایک آدمی ملک کے بڑے قاضی (چیف جسٹس) امام ابو یوسف کو بلانے کے لیے بھیجا۔ امام ابو یوسف آئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ آدمی دو اونچی لکڑیوں کے درمیان بندھا ہوا ہے اور اس کے پیچھے دو جلاّد کوڑے لیے کھڑے ہیں۔ خلیفہ نے کہا:

''اس شخص نے آج ایسی باتیں کی ہیں جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں، بتایئے اسے قتل کی سزا دی جائے یا کوڑوں کی۔''

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی بار اسی قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ اس میں آپؐ کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ آپؐ ہی کی پاک ذات کا عمل ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا

ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (سورۃ احزاب) ایک دفعہ آپؐ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو بعض لوگوں نے اس قسم کی باتیں کیں کہ مالِ غنیمت کی تقسیم اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں کی گئی۔ اللہ کے رسولؐ کے بارے میں ایسا گمان کرنا کہ انہوں نے کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف کیا' یہ کتنی سخت بات تھی لیکن آپؐ نے ایسا کرنے والوں کو معاف فرما دیا' کسی نے کہا کہ آپ نے عدل سے کام نہیں لیا' آپ نے اس کے جواب میں فرمایا' اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ بس یہی فرما کر آپؐ نے بات ختم کر دی۔ نہ کہنے والے کو ملامت کی نہ اسے کوئی سزا دی۔ ایک دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ اور ایک انصاریؓ نے فیصلہ کے لیے کوئی معاملہ آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ حضورؐ نے دونوں کے بیانات سن کر حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔ انصاری نے غصے سے کہا' آپ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ (دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے انصاف نہیں کیا بلکہ یہ فیصلہ حضرت زبیرؓ کے حق میں اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں) یہ سخت گستاخی کی بات تھی لیکن حضورؐ نے اس گستاخی سے درگزر فرمایا اور انصاری کو معاف فرما دیا:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی یہ مثالیں پیش کیں تو ہارون الرشید کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے اس شخص کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انسانی جان بچالی۔

بہادر کون ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پانچویں عبّاسی خلیفہ ہارون الرشید کے ایک بیٹے کا فوج کے کسی بڑے آدمی کے بیٹے سے جھگڑا ہو گیا۔ اس نے شہزادے کو ماں کی گالی دی۔ شہزادے کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس نے گالی دینے والے پر ہاتھ اٹھانے کے بجائے بہتر یہی سمجھا کہ اپنے والد سے اس کی شکایت کرے چنانچہ وہ غصے میں بھرا ہوا والد کے پاس گیا اور شکایت کی کہ فلاں فوجی کے بیٹے نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔

ہارون الرشید نے دربار کے امیروں اور افسروں سے پوچھا کہ گالی بکنے والے کو کیا سزا دینی چاہیے۔

ایک نے کہا' اس کی زبان کاٹ دی جائے۔

دوسرے نے کہا' اس کی جائداد پر قبضہ کر لیا جائے اور اس کو ملک سے نکال دیا جائے۔

تیسرے نے کہا' اس کو قتل کر دینا چاہیے۔

ہارون الرشید بڑا عقلمند خلیفہ تھا۔ اس نے کسی کا مشورہ پسند نہ کیا اور بیٹے سے کہا کہ اے بیٹے اگر تو گالی دینے والے کو معاف کر دے تو تیری مہربانی ہے اور اگر تو معاف نہیں کر سکتا تو تُو بھی اس کو ماں کی گالی دے لے لیکن حد سے نہ بڑھنا ورنہ تیری طرف سے ظلم ہوگا اور دوسرے کی طرف سے دعویٰ۔

عقلمندوں کا قول ہے کہ بہادر وہ نہیں ہے جو مست ہاتھی سے لڑے بلکہ بہادر وہ ہے کہ جب اس کو غصہ آئے تو واہی تباہی نہ بکے (یعنی بے ہودہ اور لغو باتیں یا گالی گلوچ نہ کرے۔)

نمک کا حق

تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کا ذکر ہے کہ افغانستان کے شہر غزنی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں لیث نام کا ایک غریب ٹھٹھیرا رہتا تھا۔ ٹھٹھیرا تانبے پیتل وغیرہ کے برتن بنانے والے کو کہتے ہیں۔ اللہ نے لیث کو ایک بیٹا دیا جس کا نام اس نے یعقوب رکھا۔ یعقوب جوان ہوا تو باپ نے اس کو بھی ٹھٹھیروں کا کام سکھا دیا۔ وہ کچھ عرصہ یہ کام کرتا رہا لیکن اس میں اس کا جی نہیں لگتا تھا کیونکہ یہ کام کرنے والوں کو اس نے ہمیشہ تنگی ترشی کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھا تھا۔ وہ علاقے کے بڑے زمینداروں' امیروں اور حاکموں کو عیش کرتے دیکھتا تو اس کے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لینے لگتی کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو اس کو بڑا آدمی بنا دے اور اس کے پاس اتنی دولت جمع ہو جائے کہ وہ خود بھی آرام سے زندگی گزار سکے اور غریبوں کی مدد بھی کر سکے۔ وہ بڑا تنومند' بلند حوصلہ اور باہمت نوجوان تھا۔ اپنے ہم عمر نوجوانوں کے ساتھ دوڑ' کشتی اور دوسرے کھیلوں میں اکثر حصہ لیتا رہتا تھا۔ ہر کھیل میں وہ ہمیشہ دوسرے نوجوانوں سے بازی لے جاتا تھا اور گاؤں کے سب نوجوان اس کی طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ یعقوب کو برتن بنانے سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا زیادہ حصہ اپنے ہمجولیوں میں بانٹ دیتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے نوجوانوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ ملا کر رہزنی یا ڈاکے مارنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ یہ لوگ مسافروں کے بھیس میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے اور امیر لوگوں کو تاڑ کر رات کو ان کے

گھروں میں ڈاکا ڈالتے۔ لُوٹ مار کا کچھ حصہ غریبوں میں بھی بانٹ دیا کرتے تھے۔ اگر کسی گاؤں میں لوگ ان کو مسافر سمجھ کر کھانا کھلا دیتے یا وہ اس گاؤں میں کوئی نمکین چیز کھا لیتے تو وہ اس گاؤں میں کبھی ڈاکا نہ ڈالتے۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ یعقوب نے صوبے کے حاکم (گورنر) کے خزانے پر چھاپا مارا۔ خزانے سے قیمتی ہیرے موتی اور دوسرا مال وزر جمع کر کے وہ خزانے کی عمارت سے نکل رہا تھا کہ اس کا پاؤں ہیرے کی مانند کسی چمک دار چیز سے ٹکرایا۔ وہ ایسی کسی چیز کو چکھ کر یا زبان پر رکھ کر جان جاتا تھا کہ وہ ہیرا ہے یا کوئی اور شے۔ اور اگر ہیرا ہے تو وہ اصلی ہے یا نقلی۔ اس نے ہیرے کی طرح چمکتی ہوئی وہ چیز اٹھا کر دیکھی اور اسے چکھا تو اسے نمک کا ایک ٹکڑا پایا۔ اب یعقوب نے سب لوٹا ہوا لاکھوں روپے کا قیمتی مال وہیں رکھ دیا اور خالی ہاتھ عمارت سے نکل گیا۔

دوسرے دن حاکم کو یہ پتا تو چل گیا کہ کسی نے اس کے خزانے کو لوٹ لیا تھا لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ لُوٹنے والا سارا مال بندھا بندھایا خزانے ہی میں کیوں چھوڑ گیا حالانکہ اس کو پکڑے جانے کا بھی کوئی ڈر نہ تھا۔

اس نے منادی کے ذریعے اعلان کیا کہ جو شخص ہمارے خزانے سے لاکھوں روپے کا قیمتی مال نکال کر اسے خزانے ہی میں چھوڑ گیا وہ میرے پاس آ جائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ ہم اسے انعام دیں گے۔

یہ اعلان سن کر یعقوب حاکم کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ حاکم نے اس سے پوچھا:

''تم ہمارا خزانہ لوٹنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن پھر سب کچھ بندھا بندھایا خزانے ہی میں چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے گئے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

یعقوب نے جواب دیا:

''میں نے آپ کے خزانے سے نمک کا ایک ٹکڑا اٹھا کر چکھ لیا تھا جس سے

آپ کے نمک کا مجھ پر حق ہو گیا تھا اس کے بعد آپ کے خزانے سے کوئی شے لے جا کر میں نمک حرام نہیں بننا چاہتا تھا۔''

حاکم پر یعقوب کے جواب کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے یعقوب کو اپنی فوج میں ایک بڑا افسر بنا دیا۔ یعقوب نے بھی اب ڈاکے مارنے سے توبہ کر لی اور اپنے ساتھیوں کو بھی اچھے اچھے کاموں پر لگا دیا۔ پھر اس نے اپنی محنت اور ہمت سے ایسا مقام حاصل کر لیا کہ جب ۲۵۵ھ میں وہ حاکم فوت ہوا تو لوگوں نے اس کو اپنا حاکم بنا لیا۔ اس طرح صوبہ سیستان پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ہرات' شیراز' بلخ' تخارستان اور خراسان بھی فتح کر لیے اور ایک بڑی سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔ دس سال بادشاہی کرنے کے بعد یعقوب بن لیث نے ۲۶۵ھ' (۸۷۸عیسوی) میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بھائی عمر اور عمر کے بعد اس کا پوتا طاہر بن محمد بن عمر بادشاہ بنے۔ ۲۹۰ھ' (۹۰۳ء) میں اس خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ سامانی خاندان کی حکومت قائم ہو گئی۔ یعقوب بن لیث کے خاندان نے صفاری خاندان کے نام سے شہرت پائی۔ اس خاندان کی حکومت ۴۴ سال تک قائم رہی۔

چاندی کی ہتھکڑی

ہارون الرشید عبّاسی خاندان کا سب سے طاقتور اور بڑی شان والا خلیفہ ہوا ہے۔ اس نے ۱۷۰ ہجری سے ۱۹۳ ہجری تک ایک بہت بڑی سلطنت پر حکومت کی۔ اپنی وفات سے پہلے اس نے اپنی سلطنت اپنے دو بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید میں بانٹ دی تھی۔ امین کو عراق، حجاز، مصر اور شام کے علاقے دے کر اسے اپنا ولی عہد مقرّر کیا تھا اور مامون کو خراسان، ترکستان وغیرہ کا حاکم بنایا تھا اور ساتھ ہی یہ وصیّت کی تھی کہ امین کے بعد مامون خلیفہ ہوگا۔ امین کی ماں ملکہ زبیدہ خاتون دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی پوتی تھی اور لوگوں میں بڑی ہر دلعزیز تھی۔ اسی کے کہنے پر ہارون الرشید نے امین کو ولی عہد بنایا تھا ورنہ مامون اس سے کہیں لائق تھا لیکن اس کی والدہ ایک خراسانی کنیز تھی۔ امین کو ایک عرب شہزادی کا بیٹا ہونے کی بنا پر عباسی خاندان کے سب لوگ اور عرب امراء اس کے طرف دار تھے۔

خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت کے آخری زمانے میں (۱۹۳ھ) میں خراسان میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔ ہارون اس بغاوت پر قابو پانے کے لیے خراسان کی طرف روانہ ہوا لیکن طوس پہنچا تو ایسا بیمار ہوا کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ اس وقت مامون خراسان کے صدر مقام مرو (MERV) میں فوج لیے پڑا تھا۔ ہارون نے اپنے سرداروں کو بلا کر کہا کہ میرے ساتھ جتنی فوج اور خزانہ ہے" یہ مامون کا حصہ ہے۔ میرے مرنے کے بعد اس کے پاس چلے جانا لیکن ہارون کا وزیر فضل بن ربیع

مامون کا دشمن تھا۔ اس نے ہارون کے مرنے کے بعد فوج اور خزانے کو بغداد بھیج دیا جہاں امین تختِ خلافت پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے فضل بن ربیع کو اپنا وزیر مقرر کر کے حکومت کا سارا انتظام اس کے ہاتھ میں دے دیا اور خود عیش و عشرت میں مشغول رہنے لگا۔

ادھر مامون نے جو مَرْو میں مقیم تھا باپ کے مرنے کے بعد اپنے درباری امیروں سے خلافت کے بارے میں مشورہ کیا تو بعض نے صلاح دی کہ شاہی فوج کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جائے لیکن مامون کے وزیر فضل بن سہل نے جو اس کا سچا خیر خواہ تھا' مشورہ دیا کہ ابھی کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس کے نتیجے میں امین سے لڑائی چھڑ جائے۔

مامون نے فضل بن سہل کا مشورہ مان لیا اور خاموشی سے خراسان کی حکومت پر قناعت کر کے بیٹھا رہا۔ اسی طرح ایک برس گزر گیا۔ دوسری طرف فضل بن ربیع نے امین کو یہ پٹی پڑھائی کہ آپ مامون کے بجائے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر دیجیے۔ پہلے تو امین نہ مانا لیکن فضل بن ربیع نے اسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ رضامند ہو گیا اور مامون کی جگہ اپنے کم سن (پنج سالہ) بیٹے موسیٰ کو ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا۔ چند دن کے بعد اس نے تمام ملک میں فرمان بھیج دیا کہ خطبوں میں امین کے بعد مامون کے بجائے موسیٰ کا نام پڑھا جائے۔ اس کے بعد امین نے شہزادہ عبّاس کو مامون کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ موسیٰ کی ولی عہدی تسلیم کرے لیکن مامون نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ امین نے مامون کو ایک خط بھی بھیجا جس میں چکنی چپڑی باتیں لکھ کر اسے بغداد آنے کے لیے کہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مامون بغداد آ جائے تو اس پر قابو پا کر اس کا قصہ تمام کر دیا جائے لیکن مامون نے اس کو جواب میں لکھا کہ یہاں بغاوت کا ڈر ہے اس لیے میرا

خراسان میں رہنا بہت ضروری ہے میں بغداد نہیں آ سکتا۔

کچھ مامون کے انکار نے اور کچھ فضل بن ربیع کے اُکسانے پر امین نے ۱۹۵ ہجری میں اپنے سپہ سالار علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار فوج دے کر خراسان پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ بغداد سے چلتے وقت علی بن عیسیٰ خلیفہ امین کی والدہ ملکہ زبیدہ خاتون سے رخصت ہونے گیا تو زبیدہ خاتون نے اس کو اس طرح کی نصیحتیں کیں۔

''اے علی! اگر چہ الاٗمین میرا بیٹا اور میرے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن المامون بھی مجھے بہت عزیز ہے۔ دیکھنا اس کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اس کا ہر حال میں ادب کرنا وہ بُلائے تو فوراً حاضر ہو جانا' اس کے آگے کبھی نہ چلنا' ادب سے پیچھے چلنا' جب وہ سوار ہونے لگے تو اس کی رِکاب تھامنا وغیرہ وغیرہ

پھر اس نے چاندی کی ایک زنجیر علی بن عیسیٰ کے حوالے کی اور کہا کہ:

''اگر وہ وہاں سے روانہ ہونے کے معاملہ میں تمہارا کہا نہ مانے تو پھر اسے یہ چاندی کی ہتھکڑی پہنا دینا اور اسی میں جکڑ کر اسے یہاں لانا۔''

ادھر مامون تک یہ خبر پہنچی کہ علی بن عیسیٰ ایک زبردست لشکر کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنے سپہ سالار طاہر بن حسین کو اس کے مقابلے کے روانہ کیا۔ طاہر بن حسین کے پاس صرف چار ہزار فوج تھی اور سامانِ جنگ بھی بہت کم تھا لیکن اس مختصر فوج اور اس کے سپہ سالار کے حوصلے بہت بلند تھے۔ اس فوج کو روانہ کرنے کے بعد مامون کے پاس بہت تھوڑی فوج باقی رہ گئی خزانہ بھی خالی ہو گیا اور وہ ہر طرف سے خطروں میں گھر گیا۔ ان دنوں کا حال بعد میں مامون نے خود اس طرح بیان کیا:

”جب میرا بھائی امین خلافت کا دعویٰ کر کے بغداد میں تخت نشین ہوا، میں اس وقت خراسان میں تھا۔ امین کی فوج کا سپہ سالار علی بن عیسیٰ تھا۔ وہ ایک بڑی فوج اور بے انتہا سامانِ جنگ کے ساتھ خراسان کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے میں نے طاہر بن حسین کو بھیجا۔ طاہر کے پاس جو فوج تھی وہ تعداد میں بھی بہت کم تھی اور لڑائی کا سامان بھی اس کے پاس زیادہ نہ تھا۔ میری فوج کے سپاہی اور سردار جو چھاؤنی میں باقی رہ گئے تھے' ان سب کا یہ خیال تھا کہ طاہر اور اس کی فوج کے تمام آدمی جو علی بن عیسیٰ کے مقابلہ پر گئے ہیں' ان میں سے ایک بھی زندہ سلامت بچ کر نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک غضب یہ ہوا کہ خزانہ کا امتحان کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں روپیہ بالکل باقی نہیں رہا۔ تمام سپاہی اور فوجی افسر اپنی تنخواہ مانگتے تھے اور میرے پاس ان کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں نے مجھے اتنا تنگ کیا کہ میں نے کسی طرف بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت میرے ساتھ صرف میرا وزیر فضل بن سہل تھا یا پھر کچھ گھریلو ملازم تھے۔ ہم جس مکان میں تھے' وہ دو منزلہ اور بہت وسیع تھا اور بہت اونچی مضبوط دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے دروازوں پر لوہے کے کواڑ چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے فضل بن سہل کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے میری ہمت بندھائی اور کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجیے اور اپنا دل مضبوط رکھیے۔ چار پانچ دن تو جوں توں کر کے گزر گئے پھر ایک دن فوج کے کئی سرداروں اور بہت سے سپاہیوں نے مکان کو گھیر لیا اور بار بار اپنی تنخواہ مانگنے لگے۔ مکان کا دروازہ ہم نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ انہوں نے فساد کے ارادے سے بہت غُل مچایا کہ دروازہ کھولو لیکن ہم نے دروازہ نہ کھولا۔ اس پر ان لوگوں نے مجھے اور فضل بن سہل کو بے تحاشا گالیاں دینی شروع کر دیں اور ساتھ ہی وہ ہمیں لعنت ملامت کرتے ہوئے دروازہ توڑنے کی دھمکیاں دینے لگے۔

فضل بن سہل نے مجھ سے کہا کہ ان لوگوں کو شور مچانے دیجیے ہم اوپر بالا خانے میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے کہا' اوپر جانے سے کیا فائدہ' بلوائی ابھی دروازہ توڑ کر اندر آ جائیں گے اور مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے لیکن فضل بن سہل نے بڑی عاجزی اور اصرار کے ساتھ کہا کہ یہاں اب بیٹھنے کا موقع نہیں ہے' اوپر ہی چلنا اور برآمدے میں بیٹھنا مناسب ہے۔ فضل بن سہل کا خیال تھا کہ اگر بلوائی اندر آ بھی گئے تو ان کو اوپر پہنچنے میں کچھ دیر لگے گی۔ شاید اس دیر سے کوئی اچھا نتیجہ نکلے۔ میں نے فضل کی بات مان لی اور ہم اوپر جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں بلوائی مکان کے چاروں طرف پھیل گئے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ مکان کی کسی دیوار کو توڑ کر کسی طرف نکل جاؤں اور کسی اور جگہ پناہ لوں لیکن اب کسی طرف بھاگنے کا راستہ بھی نہ رہا اور میں بالکل ناامید ہو گیا۔ میں نے ناامیدی کی اس حالت میں فضل کو بہت لعنت ملامت کی کہ تمہاری وجہ سے اب میں کسی طرف بھاگ کر بھی نہیں جا سکتا۔ فضل نے میری لعنت ملامت کی کچھ پروا نہ کی اور بڑی عاجزی کے ساتھ قسمیں دے دے کر میری ہمت بندھاتا رہا اور کہتا رہا کہ آپ اللہ کے بھروسے پر یہیں بیٹھے رہیے' جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب میں نے نیچے کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ کچھ بلوائی مکان کی دیوار میں سوراخ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کچھ مکان کے چاروں طرف جنگل سے لکڑیاں لا لا کر پھینک رہے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ مکان کو آگ لگا دیں تاکہ ہم جل کر راکھ ہو جائیں۔ یہ خیال آتے ہی مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی' ہاتھ پاؤں میرے قابو میں نہ رہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب موت کا پیغام آ پہنچا ہے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ بالا خانے سے نیچے کود پڑوں یا دروازہ کھول کر باہر نکل جاؤں' شاید فوج کے کچھ افسر اور سپاہی مجھے دیکھ کر شرما جائیں اور مجھے جان سے نہ ماریں لیکن فضل بن سہل نے میرے پاؤں پکڑ لیے اور میرے ہاتھوں کو چوم

کر کہا کہ اللہ کے لیے کچھ دیر اور صبر کیجیے اور یہیں بیٹھے رہیے' مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ میں مجبور ہو کر خاموش ہو گیا لیکن میری گھبراہٹ اور بے چینی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا مجھے زندگی سے مایوسی ہوتی جاتی تھی۔ یکایک فضل بن سہل نے چلا کر کہا:

"وہ دیکھیں، جنگل میں سیاہ سیاہ چیز کیا نظر آتی ہے جو آہستہ آہستہ قریب آتی جاتی ہے۔ ہاں بے شک اب اللہ کی رحمت نازل ہونے والی ہے، اب پریشانی اور تکلیف دور ہونے والی ہے' اب گھبرانے اور بے چین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فضل کی ان باتوں سے میرا غصہ اور بھی زیادہ ہوا' میں نے ملازموں کو آواز دی' دیکھو تو جنگل میں کوئی چیز نظر آتی ہے یا نہیں؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضل بالکل پاگل ہو گیا ہے۔"

ملازموں نے جنگل کی طرف غور سے دیکھا اور کہا کہ حضور! ہمیں تو وہاں کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ سن کر میں فضل بن سہل کو گالیاں دینے لگا اور دیر تک اس کو برا بھلا کہتا رہا۔ اب بلوائیوں کا شور و غل بھی حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ وہ مکان کی ایک دیوار کو ڈھانے اور لکڑیوں کے انبار میں آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب موت مجھے پنجے پھیلائے سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ یکایک ایک ملازم نے چیخ کر کہا:

"اب جنگل میں ایک سیاہ سیاہ چیز صاف نظر آ رہی ہے اور وہ ہماری طرف ہی آ رہی ہے۔" دوسرے ملازموں نے بھی اس طرف دیکھ کر اس کی بات کی تصدیق کی۔ تھوڑی دیر بعد صاف نظر آنے لگا کہ سیاہ عمامہ باندھے ایک شتر سوار تیزی سے اپنا اونٹ ہنکاتا ہماری طرف آ رہا ہے۔ جب وہ بلوائیوں کے قریب پہنچا تو اس نے

ایک برچھے کے ساتھ سرخ کپڑا باندھ کر بلند کیا اور اس کو ہلایا۔ سب بلوائی مکان کے پاس سے ہٹ کر اس کے قریب گئے تو اس نے بلند آواز سے کہا:

''اے میرے فوجی بھائیو! تمہارے لیے ایک خوشخبری لایا ہوں۔ سنو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے امیر المُؤمنین مامون کی فوج کو فتح دی اور امین کی فوج نے شکست کھائی۔ اس کی فوج کا سپہ سالار علی بن عیسیٰ میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اس کا سر میرے پاس تھیلے میں موجود ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے تھیلے سے علی بن عیسیٰ کا سر نکالا اور اس کو برچھے پر رکھ کر بلند کیا۔ بلوائیوں نے اسے دیکھ کر خوشی کا نعرہ بلند کیا اور سب نے مل کر اعلان کیا کہ ہم امیر المُؤمنین المامون کے وفادار ہیں۔ اب فضل بن سہل نے مکان کے دروازے کھلوا دیے اور نیچے اتر کر فوج کے چند سرداروں کو میرے پاس لایا۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور میری خلافت کو تسلیم کر کے مجھے مبارکباد دی۔ میں نے اللہ کی عنایت اور اس کے فضل کا شکریہ ادا کیا اور دو نفل شکرانے کے پڑھے۔''

اللہ کی قدرت علی بن عیسیٰ جس کو ملکہ زبیدہ نے چاندی کی ہتھکڑی دے کر ہدایت کی تھی کہ مامون کو اس میں جکڑ کر لائے، وہ رَے کے قریب مامون کی تھوڑی سی فوج سے شکست کھا کر میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد دو سال تک امین اور ہارون کی فوجوں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں امین کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ ۱۹۷ ہجری میں مامون کے سپہ سالار طاہر بن حسین نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک برس تک جاری رہا۔ آخر امین نے شکست کھائی۔ طاہر بن حسین نے اسے گرفتار کر کے محرّم ۱۹۸ ہجری میں قتل کر ڈالا اور المامون چاندی کی ہتھکڑی میں جکڑے جانے کے بجائے تمام عبّاسی سلطنت کا خلیفہ بن گیا، تاہم جب تک ملکہ زبیدہ جیتی رہی، مامون اس کی عزت کرتا رہا اور اس کو سگی ماں کا درجہ دے کر ہر طریقے سے اس کی خدمت کرتا رہا۔

دین میں زبردستی نہیں

اسلام کے بعض دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنے ملکوں کے غیر مسلموں سے جس قدر اچھا سلوک کیا اور ان کو جس طرح ہر قسم کی مذہبی آزادی دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ میں مسلمان حکمرانوں کی رواداری کے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے صرف ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

عباسی خاندان کے آٹھویں خلیفہ مامون الرشید (المامون) نے ۱۹۸ ہجری سے ۲۱۸ ہجری تک حکومت کی۔ اس کے عہد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک بڑا پادری یزداں بخت مسلمانوں سے بحث (مناظرہ) کرنے کے لیے اس کے دربار میں آیا۔ خلیفہ نے خود اس کی اجازت دی تھی کہ وہ دربار میں آ کر مسلمان عالموں سے اس نکتے پر بحث کر لے کہ مسلمان سیدھے راستے پر ہیں یا وہ اور اس کے ہم مذہب۔ یزداں بخت نے اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کے لیے بڑا زور لگایا اور اس سلسلے میں طرح طرح کی دلیلیں دیں لیکن مسلمان عالموں نے اس کی ہر دلیل کا ایسی خوبی سے جواب دیا کہ وہ خاموش ہو گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بحث میں ہار گیا ہے۔ اب خلیفہ نے اس سے کہا:

"یزداں بخت اب تو اسلام قبول کر لے۔"

یزداں بخت نے کہا، زبردستی یا اپنی مرضی سے؟

خلیفہ نے کہا' اپنی مرضی سے۔ ہمارے دین میں کوئی زبردستی نہیں۔
پادری نے کہا' پھر تو میں اسلام قبول نہیں کرتا۔
خلیفہ نے کہا: کوئی بات نہیں' تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔
پھر اس نے حکم دیا کہ یزداں بخت کو فوجی حفاظت میں اس کی قیام گاہ تک پہنچا دیا جائے' ایسا نہ ہو کہ کوئی نادان اسے نقصان پہنچائے۔

۱۔ حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تمہاری پناہ میں آنا چاہیے اسے پناہ دو اور جو تم سے سوال کرے اس کو دو اور جو تمہاری دعوت کرے اس کو قبول کرو اور جو تم سے نیک سلوک کرے اس کا بدلہ دو لیکن اگر تم بدلہ کی طاقت نہیں رکھتے تو اس کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (ابوداؤد)

۲۔ حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کے دربار میں سچی بات کہنا' یہ بھی ایک بڑا مجاہدہ ہے۔ (صحیح مسلم)

بدگمانی سے بچنے کا علاج

حدیث کے سب سے بڑے عالم امام بخاری رحمۃ اللہ عَلَیہ ایک دفعہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے پاس تھیلی میں کچھ اشرفیاں تھیں، وہ انہیں گننے لگے۔ کشتی پر سوار ایک لالچی اور بے ایمان مسافر نے ان کو اشرفیاں گنتے دیکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے شور مچا دیا کہ میری اشرفیوں کی تھیلی کسی نے چُرا لی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکّار کو اس طرح شور مچاتے دیکھا تو انہوں نے چپکے سے اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں پھینک دی۔

مَلّاحوں نے سب مسافروں کی تلاشی لی لیکن کسی کے پاس تھیلی نہ ملی۔ ایک اور شخص جو امام صاحبؒ کو جانتا تھا اور اس کو معلوم تھا کہ جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تھے تو ان کے پاس اشرفیوں کی تھیلی موجود تھی، اس نے تنہائی میں امام صاحبؒ سے پوچھا، حضرت آپ کی وہ تھیلی کہاں گئی؟ انھوں نے فرمایا، میں نے اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اس نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا، اگر تھیلی میرے پاس سے نکلتی تو مجھے لوگ چور سمجھتے اور میں نے جو ہزاروں حدیثیں جمع کی ہیں ان پر لوگوں کا اعتبار جاتا رہتا، یوں میری ساری عمر کی محنت ضائع ہو جاتی۔

داناؤں نے اس لیے کہا ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی ایماندار ہو اسے جہاں تک ہو سکے ایسے موقعوں سے بچنا چاہیے جہاں لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہونا پڑے۔

ایک چور کی توبہ

شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ تیسری صدی ہجری میں مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ وہ درویشوں کی طرح زندگی گزارتے تھے جو کچھ ہاتھ میں آتا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتے تھے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک دفعہ رات کو ایک چور اُن کے گھر میں گھس آیا۔ ادھر ادھر بہتیرا ٹٹولتا رہا لیکن کوئی چیز نہ ملی۔ اس وقت شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ ایک گوشے میں بیٹھ کر عبادت کر رہے تھے۔ چور مایوس ہو کر واپس جانے لگا تو انہوں نے اس کو آواز دی۔

"اے بھائی! فقیر کے گھر سے خالی ہاتھ نہ جا۔ میرا کہنا مان۔ یہ ڈول اور رَسّی لے اور کنوئیں سے پانی نکال۔ پھر وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جا۔ شاید اللہ تعالیٰ تیرے لیے کوئی صورت پیدا کر دے۔"

شیخ کی بات سن کر چور پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے صحن کے کنوئیں سے پانی نکالا اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک شخص شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو سَو اشرفیاں نذر کیں۔ چور نے سلام پھیرا تو شیخ نے یہ تمام اشرفیاں چور کے ہاتھ پر رکھ دیں اور فرمایا۔

"یہ لے آج کی رات تو نے اللہ کی یاد میں گزاری تو اس نے تجھے یہ انعام دیا۔"

یہ دیکھ کر چور کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگا:

''افسوس! میں نے پچھلی ساری زندگی میں اللہ کو بھلائے رکھا اور چوریاں کرتا رہا لیکن میری غریبی دُور نہ ہوئی۔ صرف آج کی رات میں نے اللہ کو یاد کیا تو اس نے میری غریبی دُور کر دی۔ اگر میری پچھلی زندگی بھی اس کی یاد میں گزرتی تو مجھے کیا کچھ نہ ملتا''

یہ کہہ کر اس نے سچے دل سے توبہ کی اور شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے او نہ اس کو بے سہارا چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔

اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کرے گا۔

اور جو مسلمان کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا۔ (بخاری و مسلم)

اللہ پر بھروسا

شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے رحم دل اور سخی تھے۔ ان کے دروازے سے کبھی کوئی سوال کرنے والا خالی ہاتھ نہ جاتا تھا اور اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ کسی سے قرض لے کر مانگنے والے کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ اپنی اس دریا دلی اور سخاوت کی وجہ سے ان پر ہزاروں روپے کا قرض چڑھ گیا تھا لیکن وہ ہمیشہ قرض اس نیّت کے ساتھ لیتے تھے کہ جب موقع ملا' اسے واپس کر دیں گے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ان کا پکّا ایمان تھا کہ جو شخص اس نیّت کے ساتھ قرض لیتا ہے کہ اسے واپس کر دے گا تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔

شیخ کی اس سخاوت کا سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا لیکن ان کے پاس کبھی اتنا روپیہ نہ آیا کہ سارا قرض اتار سکیں۔ یہاں تک کہ بہت بوڑھے ہو گئے اور پھر سخت بیمار ہو گئے۔ جب ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو کئی آدمی اپنا قرض وصول کرنے کے لیے ان کے گھر آ گئے اور بڑی سختی کے ساتھ اپنا قرض واپس مانگنے لگے۔ قرضے کی کل رقم چار سَو دینار (سونے کا ایک قیمتی سِکّہ) بنتی تھی۔ شیخ نے ان سے فرمایا: اس وقت میرے پاس تو کچھ بھی نہیں لیکن ذرا صبر کرو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مرنے سے پہلے ضرور میری مدد کرے گا' اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں' تمہارے چار سَو دینار کیا شے ہیں۔ پھر شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

”اے اللہ! اب تو ہی مدد کر کہ اپنا قرض اتار سکوں، میں تو تیرا عاجز اور مسکین بندہ ہوں اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔“

اس وقت تمام قرض خواہ شیخ کے سرہانے کھڑے تھے۔ ابھی وہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ ایک رئیس کا نوکر سر پر ایک بڑی رکابی اٹھائے آ گیا۔ اس نے رکابی شیخ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ میرے آقا نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا ہے، اسے قبول فرمائیں۔

جب رکابی پر سے کپڑا اٹھایا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں پورے چار سو دینار پڑے ہیں۔ شیخ نے یہ تمام دینار قرض خواہوں کو دے دیے۔ اب تو وہ سب ان کے قدموں پر گر پڑے اور کہنے لگے۔ ”اے شیخ ہماری گستاخی معاف فرما دیں، ہمیں آپ کے مرتبے کا علم نہ تھا۔“

شیخ نے فرمایا: ”میں نے تم کو معاف کیا، اللہ بھی تمہیں معاف کرے“

اس کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کا پچھتاوا

تیسری صدی ہجری میں حضرت سِرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں بہت بڑے صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ وہ دن رات کا زیادہ حِصّہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور لوگوں کی خدمت کرنے میں گزارتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ سمجھتے تھے اور ہر چھوٹے بڑے سے محبت کرنا اور جہاں تک ہو سکے اس کو فائدہ پہنچانا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی مجلس میں بہت سے نیک اور علم والے لوگ جمع تھے اور ان باتوں کا ذکر کر رہے تھے جو کسی انسان کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) کہنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس وقت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر دُکھ بھرے لہجے میں فرمایا:

"بھائیو! اَلْحَمْدُ لِلّٰہ واقعی ایسا کلمہ ہے جس کے کہنے والے کو بے حد ثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور اس کو بڑا درجہ اور برکتیں عطا فرماتا ہے مگر میں ایسا بدنصیب ہوں کہ ثواب اور برکتوں کا کیا ذکر ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ کر ایسی سخت پریشانی اور پچھتاوے میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ سالہا سال سے توبہ کر رہا ہوں لیکن طبیعت کی بے چینی کم نہیں ہوتی۔"

لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا:

یا حضرت: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے پر پچھتاوے اور پریشانی کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟"

حضرت سِرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آج سے تیس برس پہلے بغداد کے بازار میں ایک دکان کو آگ لگ گئی۔ لوگوں نے آگ پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن آگ بجھنے کے بجائے اور بھڑک اٹھی اور اس نے سارے بازار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ساری دکانیں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ آگ لگنے سے پہلے ان دکانوں میں کروڑوں روپے کا سامان بھرا ہوا تھا لیکن اب وہاں راکھ مٹی اور اینٹوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور ان دکانوں کے مالک کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے تھے۔ اس بازار میں میری بھی دکان تھی جس وقت بازار کو آگ لگی میں وہاں سے بہت دُور تھا۔ جب آگ بُجھ گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ میری دکان کو آگ نے چھوا تک نہیں اور یہ اپنے سامان سمیت بالکل صحیح سالم کھڑی ہے۔ جب میرے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا کہ میری دکان آگ سے بچ گئی ہے تو وہ دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور آگ لگنے کا سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ جس وقت یہ واقعہ بیان کر رہے تھے، مجھے سخت پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ آگ لگنا، اس کا پھیلنا اور دکانوں کا جلنا وغیرہ سب کچھ میں بڑی بے چینی کے ساتھ سنتا رہا۔ آخر میں جب انہوں نے بتایا کہ آگ کے شعلے آپ کی دکان کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانی کی کہ اس وقت آگ بجھ گئی اور آپ کی دکان جلنے سے بچ گئی تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار میرے منہ سے نکلا:

اَلْحَمْدُلِلّٰہ

لیکن پھر خیال آیا کہ میں کیسا انسان ہوں کہ دوسروں کی تباہی اور بربادی پر دُکھی اور غمگین ہونے کے بجائے اپنی دکان کی سلامتی پر خوش ہو رہا ہوں۔ بازار کے بڑے بڑے تاجر محتاج ہو گئے ہیں۔ ہزاروں لوگ جن کے دستر خوان پر کھاتے تھے آج وہ خود دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو گئے ہیں، چاہیے تھا کہ ان

کی تباہی اور بربادی کا حال سن کر تڑپ جاتا لیکن میں اپنی دکان کے بچ جانے پر خوشی کے مارے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ رہا ہوں۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا اور آج تک اس وقت کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھتا رہتا ہے۔ تیس برس سے میں برابر توبہ کرتا رہتا ہوں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کی التجا کرتا رہتا ہوں۔

❀

۱- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

۲- حدیثِ نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مُسندِ احمد و شُعبُ الایمان بیہقی)

مصیبت زدہ لوگوں سے ہمدردی

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سولہویں صدی عیسوی میں بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دفعہ وہ دِلّی سے لاہور تشریف لائے اور ایک سال تک یہاں قیام کیا۔ اس زمانے میں لاہور میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور بے شمار غریب لوگ دانے دانے کے محتاج ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہؒ لوگوں کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے تو ان کو سخت دُکھ ہوتا اور وہ بے قرار ہو جاتے۔ ان کے سامنے کھانا لایا جاتا تو فرماتے' دوستو! یہ انصاف نہیں ہے کہ غریب لوگ تو گلیوں میں بھوکے پیاسے دھکے کھاتے پھریں اور ہم گھروں میں بیٹھ کر مزے سے کھانا کھائیں۔ چنانچہ سارا کھانا قحط میں مبتلا لوگوں کو بھیج دیتے اور خود بھوکے رہتے البتہ زندگی قائم رکھنے کے لیے کبھی کبھی سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔ غرض قحط کا سارا زمانہ آپؒ نے اسی حالت میں گزارا اور پھر دِلّی واپس چلے گئے۔ اللہ کے نیک بندے کسی کو مصیبت میں دیکھتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور ہر طریقے سے اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ بڑے ثواب کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا بہت اچھا طریقہ ہے۔

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں اور رسائل سے مدد لی گئی ہے' ان کے نام یہ ہیں:

۱- سیرۃ النبی ﷺ — شبلی نعمانیؒ
۲- سیرتِ طیبہ رحمتِ دارین ﷺ — طالب الہاشمی
۳- تاریخِ اسلام — شاہ معین الدین احمد ندویؒ
۴- الفاروق — شبلی نعمانیؒ
۵- المامون — شبلی نعمانیؒ
۶- چند لمحات کلامِ نبویؐ کی صحبت میں — جناب خرم مرادؒ
۷- طبقات الکبیر — ابنِ سعدؒ
۸- مثنوی — مولانا جلال الدین رومیؒ
۹- گلستاں — شیخ سعدیؒ
۱۰- قصص الاسلام — ایس ایم حمید پانی پتی
۱۱- غلامانِ اسلام — مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ
۱۲- نسیمِ حجاز — صوفی نذر محمد سیال
۱۳- مسلمان اور وقت کے تقاضے — جناب عبدالسلام قدوائی
۱۴- جگمگاتے تارے — شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی
۱۵- حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو — مولانا محمد احمد غضنفر

ان کے علاوہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور' ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور' ماہنامہ سکھی گھر لاہور' ماہنامہ المعارف لاہور' ہفت روزہ زندگی لاہور وغیرہ کے کئی شماروں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب

مصنف: محمد اشرف شریف، ڈاکٹر اشتیاق احمد　　　　قیمت: 175 روپے

☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز واقارب کی 20 پشتوں کا تعارف ☆ کیا نبی کریم ﷺ کے عزیز واقارب کو آپؐ کی نبوت کا علم تھا؟ ☆ نبی کریم ﷺ کے گیارہ چچا اور چھ پھوپھیوں کا مفصل تعارف ☆ آپ کے سسرالی قرابت دار کون کون تھے؟ آپؐ کی اولاد، داماد اور نواسے نواسیاں کتنے ہیں؟ ☆ رسول کریم ﷺ کے عزیز واقارب بارے مستند بیانات اور بے شمار حوالے جو آپ تلاش کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں۔

کتابیں دُنیا پر حکمرانی کرتی ہیں

اُردو بازار لاہور فون: 7231391
0333-4470509